غلطنامہ تذکرۂ شیخ علی حزین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۸	زینب النسا	روشن آرا بیگم
۴	۷	نور الدین بن محمد	نور الدین محمد
۲۲	۱۷	تھا کہ ایک ایرانی فوج	تھا کہ ایرانی فوج
۲۶	۱۲	حاجت است	حاجتست
۲۷	۲	با دوست	بدست
۲۸	۸	تا کساں	ناکساں
۲۹	۶	ندو یتے	ندویتے
"	۱۵	باشد	باشم
۳۳	۱۳	یا حسن قد اتاک المسی	اللہ یا محسن قد آتیک المسی

تصنیفات حضرت جلیل مدظلہ (جانشین امیر مینائی)

تاج سخن — دیوان اول، بار دیگر نہایت آب و تاب سے طبع ہوا ہے۔ قیمت عمار علاوہ محصول

جان سخن — دیوان دوم، جو در حقیقت شعر و سخن کی جان ہے۔ قیمت قسم اول عمار علاوہ محصول قسم دوم عمار مع محصول۔

یہ کتب مولوی نثار احمد صاحب نثار راؤر مچا۔ حیدرآباد دکن سے طلب کرنے پر مل سکتی ہیں یا مجھے لکھنے پر بھی تعمیل ہو سکتی ہے فقط

المستھر

عاصی آفاق بنارسی

مطبوعات الناظر پریس لکھنؤ

قواعد اردو۔ اردو زبان کی سب سے پہلی جامع مبسوط اور با اصول قواعد۔ از مولوی عبدالحق بی اے سکرٹری انجمن ترقی اردو۔ قیمت ۶

محاربات صلیبی۔ صلیبی لڑائیوں کے حقیقی حالات جو انکی ایک مسیحی جماعت نے شایع کیے اور مذہبی تعصب کے باوجود مسلمانوں کی اولوالعزمیوں کا اعتراف کیا ہو قیمت ۱۲

الاحسان۔ تصوف کی تاریخ اور اسکی درجہ بدرجہ ترقی کے حالات۔ قابل دید رسالہ۔ قیمت ۸

واقعات کربلا۔ میر انیس کے ایک ہی بحر کے مرثیوں کا انتخاب ایسے تسلسل سے مرتب کیا ہے کہ ابتدا سے انتہا تک کل مناظر آنکھوں کے سامنے پھر جاتے ہیں۔ قیمت ۱۲

میلاد ابن جوزیؒ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے متعلق یہ بہترین کتاب ہے جسمیں کمال انشاپردازی کے ساتھ تمام واقعات صحیحہ بیان ہوے ہیں اصل عربی کیساتھ اردو ترجمہ بھی قابل دید ہو قیمت ۱۲

تسخیر فرانس۔ شکسپیر کے مشہور ڈرامے "ہنری دی ففتھ" کا اردو ترجمہ۔ اردو انشاپردازی کا بہترین نمونہ قیمت ۸

حیات نظامی۔ مولانا نظامی گنجوی مصنف سکندرنامہ کے حالات زندگی۔ قیمت ۱۲

اصول نسخ۔ لکھنؤ کے مشہور خوشنویس منشی حامد علی صاحب مرحوم رقم نے جن کی عمر کا آفتاب غروب کے قریب پہنچ گیا ہے اپنی ساری عمر کے مشق اور تجربہ کی بنا پر اس کتاب میں وہ اصول اور طریقے لکھدیے ہیں جن سے ذوقینوں کو خط نسخ حاصل کرنے اور اسمیں کمال پیدا کرنے میں آسانی ہو۔ اصولاً وعملاً ہر طرح اس فن کی یہ ایک جامع مستند اور کارآمد کتاب ہے۔ قیمت ۶

زود پشیماں۔ اردو میں اپنے طرز و انداز کا سب سے پہلا اور دلچسپ ڈراما۔ اسکی ابتدا میں مولانا شرر مرزا رسوا بی اے۔ مولوی سید سلیمان ندوی، اور مسٹر سجاد حیدر (یلدرم) کی دلچسپ تقریظات پڑھنے کے قابل ہیں۔ قیمت ۸

جمیل وبثینہ۔ عرب کی سرزمین پر حسن وعشق کی چمن بندی دیکھنا ہو تو مولوی جواد علی خاں جیسے ادیب کا یہ پرلطف فسانہ دیکھیے۔ قیمت ۳

شوکیہ ورڈو مظلوم بہنیں: ایک درد انگیز فسانہ از جناب قیصر بھوپالی۔ قیمت ۱

مساوات۔ مسٹر جوش کا بہتر فسانہ قیمت ۱

اتفاقات زمانہ۔ مسٹر جوش کا دلچسپ فسانہ قیمت ۱

سبکفرن ورہی۔ منشی احمد علی شوق قدوائی کا ایک پرلطف ڈراما۔ قیمت ۲

ایک نادان خداپرست۔ از سر سید احمد خاں قیمت ۱

مثنوی صبح امید۔ مولانا شبلی مرحوم کی سب سے قدیم اردو نظم جسے حال ہی میں الناظر پریس نے بڑی صفائی سے چھاپا ہے۔ قیمت ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

تذکرۂ شیخ علی حزیں

۷ رجون ۱۹۱۷ء کو میں اپنے ایک دوست کے عقد میں شرکت کی غرض سے بمقام گوپی گنج گیا تھا۔ یہ مقام ضلع بھدوہی (اسٹیٹ بنارس) میں شامل ہے اور بنارس سے سولہ سترہ کوس کے فاصلے پر جانب گوشۂ جنوب مغرب واقع ہے۔ واپسی میں علی الصباح اسٹیشن بنارس چھاؤنی پر اترا چند احباب بھی ساتھ تھے۔ عجب اتفاق کہ اس بڑے اور مشہور اسٹیشن پر اس وقت کوئی گاڑی یا اکہ نہیں ملا۔ دوستوں کی رائے ہوئی کہ شہر تک ٹہلتے ہوئے چلیں۔ شہر میں رام نگر پہونچنے کے لیے متعدد گاڑیاں اور بکثرت یکے مل جائیں گے، یا دریا کی راہ بہ آسانی مکان پہونچ جائینگے الغرض ہم لوگ خراماں خراماں فاطمان[1] کی راہ سے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

اس وقت میرے ساتھیوں میں علاوہ دیگر احباب کے میرے چھوٹے بھائی محمد ہاشم علیخاں سلمہ اور حکیم محمد نعیم الدین صاحب بھی تھے۔ یہ صاحب حکیم محمد عطا کریم عطا سہسرامی مرحوم کے صاحبزادے ہیں[2] اور حکیم عطا مرحوم میرے مکتبی یار تھے۔ فاطمان کے قریب پہونچ کر ان لوگوں نے شیخ علی حزیں کی قبر دیکھنے اور اس پر فاتحہ پڑھنے کا اشتیاق ظاہر کیا۔ نیز شیخ کی دید کا شتیاق لیکر میں فاطمان کے اندر داخل ہوا۔

---

[1] بنارس کا ایک مشہور قبرستان ہے۔ [2] میرے ماموں زاد بھائی ہیں۔

مرقد شیخ علی حزیں کے آس پاس ہزار ہا پختہ وخام جدید وکہنہ قبریں موجود ہیں۔ اُنہیں کوئی قبر سنگِ مرمر کی سفید شفاف چمک رہی ہے۔ کسی قبر پر جرمن سلور کی خول چڑھی ہوئی ہے جس پر آفتاب کی شعاع پڑنے سے نظر کو خیرگی ہوتی ہے۔ بہت سی قبریں معمولی اینٹ پتھر کی مگر صدہا برس کی کہنہ ہیں، جنکو ہر سال ابر نے بارش کے چھینٹے دے دے کر گھٹا سے بھی کہیں زیادہ سیاہ نبار رکھا ہے۔ اکثر پرانی قبروں کے سنگ تعویذ جابجا سے ٹوٹ گئے ہیں۔ کسی کا نصف پتھر غائب تو کسی کا پورا پتھر ندارد ہے۔ بعض بعض قبروں کو اونچے اونچے درختوں نے اپنے سائے میں لے رکھا ہے۔ کچھ قبریں گھانسوں نے اپنے دامن میں چھپالی ہیں۔ ان قبروں کا یہ منظر دیکھکر مجھے زیب النسا کا یہ شعر (جو اُنکی قبر پر کندہ ہے) یاد آگیا:۔

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزارِ مرا ۔ کہ قبر پوشِ غریباں ہمیں گیاہ بس است

کچھ قبریں خام بھی تھیں، جن کا نشان اس طرح ملتا تھا کہ بعض مٹی کے ڈھیر زمین سے کچھ اونچے ہوکر بتلا رہے تھے کہ ہم بھی کسی غریب کی قبر ہیں۔ انھیں مٹی کے ڈھیروں سے ملے جُلے بعض گڑھے زمین سے ہاتھ ڈیڑھ ہاتھ نیچے بیٹھکر لاوارث قبر ہونے کا ثبوت دے رہے تھے۔ یہ دیکھکر مبا حتہ میری زبان سے نکلا کہ

کوئی اتنا بھی نہیں پوچھنے والا انکا ۔ کیا گذرتی ہے، کہو قبر میں سونے والو

جب ان قبروں سے گذرتا ہوا اُس اکیلی قبر کے پاس پہونچا جو مسجد وروضۂ فاطمان (فاطمہؓ) سے زیادہ قربت رکھتی تھی اور اُس میں تصورات وتخیلات کا بادشاہ میٹھی نیند سو رہا تھا۔ نہ شعر کی فکر، نہ مصرعہ کا خیال، نہ مضموں آفرینی کا ہوش، نہ سخن سازی کے حواس، سنگِ قبر پہ دو تین شعر جو کسی زمانے کے موزوں کیے ہوے تھے، کندہ ہیں۔ وہی بتلا رہے ہیں کہ شیخ علی حزیں نہا دھو کر، کپڑے بدل کر، ڈیڑھ سو برس سے بھی چند سال پہلے اس سنگی قبر کے اندر مٹی کے فرش پر خوابِ استراحت میں مصروف ہیں۔ قبر پر ایک مٹی کا چراغ جو کئی راتوں کو اُس قبر پر جل بُجھنے کی خبر دے رہا تھا، اور کچھ مرجھائے ہوے پھول جو کہہ رہے تھے کہ ہم آج ہی کی رات اس

پر چڑھائے گئے ہیں پڑے تھے

ہم اور ہمارے تمام ساتھی قبر کے چبوترے پر جو بمقابلہ دوسری قبروں کے اونچا نہ تھا، جوتے اُتار اُتار کر چڑھ گئے ہمارے ساتھیوں نے بہت اشتیاق کی نظر سے قبر کا گوشہ گوشہ دیکھا اور فاتحہ خواں ہوے۔

فاطمان سے روانہ ہونے پر اثناے راہ میں جہاں تک سُنے سُنائے حالات شیخ کے مجھے معلوم تھے میں نے سنا دیے مگر اس سے ان لوگوں کی پوری تشفی نہ ہوئی۔ بلکہ مفصل حالات شیخ کے سُننے کا شوق بڑھتا نظر آیا۔ لہذا ان لوگوں کا بڑھا ہوا اشتیاق دیکھکر مجھے شیخ کے مفصل حالات کے دریافت کرنے کی تلاش و فکر ہوئی۔

کتاب مفتاح التواریخ جو میرے پاس موجود ہے، و نیز کتبہاے موجودہ کتب خانہ سرکار آقایم بہادر[۱] و دیگر ذرایع سے شیخ کے حالات تلاش و کیا کر رہا تھا کہ میرے مہربان حافظ شیخ امام الدین صاحب نے جو، رجون کو میرے ساتھ تھے شیخ کی سوانح عمری فارسی، جس میں خود شیخ نے اپنی سرگذشت قلمبند کی ہے، مطبوعہ سلم پریس دہلی ۱۲۱۹ ہجری، کہیں سے عاریتاً لاکر مجھے دی۔ اگرچہ اُس سے مجھے مزید امداد نہیں ملی، کیونکہ کتب خانۂ سرکار آقایم میں بھی یہی سوانحعمری شیخ کی مطبوعہ پریس مفاد ہند بنارس ۱۸۵۱ء موجود تھی اُس سے میں ضروری حالات کا اقتباس کر چکا تھا۔ تاہم میں حافظ جی کا مشکور ہوا۔

الغرض یہ حالات شیخ کے جہاں تک صحت و اختصار کے ساتھ ملے اختلافات رفع کرکے درج کیے۔

شیخ علی حزیں مغفور

ایک باکمال اہل سخن گذرے ہیں۔ انکی ذاتِ بابرکات آخری دَور میں فارسی شاعری کے لیے

[۱] عالیجناب فیض ظہور مہاراج دھراج دوبجراج سیری مہاراجہ صاحب بہادر والی بنارس دام اقبالہ و اجلالہٗ

مایۂ فخر وناز تھی۔ علاوہ کمالِ شاعری، وعلم وفضل کے معزز امرائے ایران وذی عزت روسائے اصفہان میں سے تھے اور نہایت نیک نفسی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ دنیا ولذاتِ دنیا کو ترک کر کے خلق اللہ سے کنارہ کشی اختیار کرلی تھی۔ گوشے میں بیٹھکر یادِ الٰہی کرتے تھے۔

نام شیخ علی، تخلص حزین، مذہب شیعہ تھا۔ شیخ تاج الدین ابراہیم معروف بہ شیخ زاہد گیلانی کے خاندان سے ہیں۔ نسب نامہ شیخ علی حزین کا شیخ زاہد گیلانی تک یہ ہے۔

نسب نامہ | شیخ علی حزین بن ابیطالب بن عبداللہ بن علی بن عطاءاللہ بن اسمٰعیل بن اسحٰق بن نور الدین بن محمد بن شہاب الدین علی بن علی بن یعقوب بن عبدالواحد بن شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن جمال الدین بن شیخ تاج الدین ابراہیم معروف بہ شیخ زاہد گیلانی۔

شیخ زاہد گیلانی شیخ صفی الدین اردبیلی کے مرشد وخسر تھے۔ شیخ صفی الدین اردبیلی آذربائیجان

---

[1] نسب نامہ میں بہت زیادہ اختلاف پایا گیا۔ مفتاح التواریخ مطبوعہ سنہ ۱۸۴۹ء میں تحریر ہے کہ شیخ علی حزین، شیخ زاہد گیلانی کی پندرہویں پشت میں ہیں، مگر مسلسل نسب نامہ اس میں نہیں ہے۔ سوانح عمری شیخ مطبوعہ مسلم پریس دہلی سنہ ۱۳۱۹ ہجری میں جو نسب نامہ درج ہے اُس سے اٹھارہویں پشت میں اور نسب نامہ مندرجہ کلیات حزین مطبوعہ مطبع نامی منشی نول کشور سنہ ۱۲۹۳ ہجری سے سترہویں پشت میں شیخ زاہد گیلانی تک سلسلہ ملتا ہے مگر بظاہر اس میں یہ غلطی معلوم ہوتی ہے کہ (شیخ نور الدین محمد) اور (علی یعقوب) دو نام کو سوانحعمری مذکور میں چار نام اس طرح پر دکھایا گیا ہے کہ نور الدین بن محمد وعلی بن یعقوب۔ کلیات میں بھی (علی یعقوب کو دو نام علی بن یعقوب) لکھا ہے۔ تاریخ بنارس مولفہ حکیم سید مظہر حسن صاحب طبیب دربار بنارس مطبوعہ سنہ ۱۹۱۶ء میں جو نسب نامہ تحریر ہے اُس میں شیخ علی حزین کو ابن ابی طالب عبداللہ بن علی بن عطاءاللہ لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی طالب عبداللہ ایک شخص کا نام ہے مگر ایسا نہیں ہے، ابی طالب ابن عبداللہ صحیح ہے۔ سوانح عمری وکلیات سے صاف واضح ہے اور اسکے تاریخ بنارس میں جہاں شیخ کے اجداد کا تذکرہ کیا ہے وہاں لکھا ہے کہ شیخ ابی طالب، شیخ عبداللہ کے بیٹے تھے اور شیخ عبداللہ شیخ علی بن عطاءاللہ کے بیٹے تھے۔ سوانح عمری شیخ مطبوعہ مفاد ہند پریس بنارس سنہ ۱۹۰۵ء میں جو نسب نامہ درج ہے وہ مطابق تاریخ بنارس کے ہے۔

کے سجادہ نشین اور شاہانِ صفویہ کے اجداد و حضرت امام موسیٰ کاظم کے اولاد سے تھے انکا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ کاظمؑ سے اکیسویں پشت میں ملتا ہے۔ بادشاہانِ صفوی اسی خاندان سے تھے اسی وجہ سے صفوی کہلائے۔

شیخ صدر الدین اردبیلی شیخ صفی الدین اردبیلی کے صاحبزادے اور شیخ زاہد گیلانی کے نواسے تھے۔ یہ نہایت نیک اور صالح تھے۔ انکی نیکی و پرہیزگاری تیمور شاہ جیسے ذی حشم بادشاہ کو انکے مکان پر لے گئی۔ جب تیمور شاہ نے پوچھا کہ میں تمہاری کون سی خدمت کردوں تو شیخ صدر الدین نے کہا کہ اُن اسیروں کو جنھیں تم روم سے لائے ہو رہا کردو۔ تیمور شاہ نے انکی یہ درخواست قبول کی جس وجہ سے وہ احسان مند قومیں شیخ صدر الدین کی معتقد ہو گئیں اور انکا اعتقاد انھیں تک نہیں رہا بلکہ اُن قوموں کی اولاد نے شیخ صدر الدین کی اولاد کا بہت عرصہ تک ساتھ دیا۔

کتاب مفتاح التواریخ میں تاریخ وفات شیخ صفی الدین اردبیلی اس طرح تحریر ہے:۔

آنکہ سلطان اولیا بودہ	درۃ التاجِ اصفیا بودہ
وانکہ دریاے فیضِ عرفان است	جدِّ شاہانِ ملکِ ایران است
صاحبِ اردبیل شیخ صفی است	کاشفِ نکتۂ خفی و جلی است
ماہ عاشورہ دو و از دہم	بود کاں قطب شد بچرخ نہم
روز تکفینِ او دو شنبہ گو	صاحبِ خلد سالِ رحلتِ او

شیخ علی حزیں کے اجداد شہر استارا کے رہنے والے تھے۔ شیخ شہاب الدین شہر استارا سے لاہجان میں کہ عمدہ ترین شہر گیلان سے ہے آئے اور قیام پذیر ہوئے۔

شیخ کے دادا شیخ علی بن عطاء اللہ ایک ذی علم و مشہور شخص تھے۔ خان احمد خاں بادشاہ

لہ سوانح عمری شیخ مطبوعہ مسلم پریس دہلی ۱۳۰۹؁ ہجری میں یہ نام شیخ جلال الدین علی بن عطاء اللہ تحریر ہے مگر دوسرے نسخوں میں یہ نام صرف علی بن عطاء اللہ تحریر ہے۔

بادشاہ گیلان نے ان سے کچھ پڑھا تھا۔ اس لیے بادشاہ انکی قابلیت علمی کی کمال تعظیم کرتا تھا۔

شیخ علی بن عطاء اللہ کے صرف ایک بیٹے تھے شیخ عبداللہ جنھوں نے کُل علوم و فنون کی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں اور تقویٰ کے باعث تارکِ دُنیا ہو کر تھوڑی سی آمدنی پر بسر کرتے تھے۔

شیخ عبداللہ کے تین فرزند شیخ عطاء اللہ و شیخ ابیطالب و شیخ ابراہیم تھے شیخ عطاء اللہ فرزند اکبر تھے جو لاولد مرے۔ شیخ ابراہیم جو سب سے چھوٹے تھے خوشنویسی میں ہفت قلم تھے شیخ ابیطالب (شیخ علی حزیں کے والد) بھی نہایت خوشنویس تھے ستر جلد کتابیں انکے ہاتھ کی لکھی ہوئی انکے کتب خانے میں موجود تھیں۔

شیخ ابیطالب بعد تحصیل علم ضروری بیس برس کی عمر میں بغرض صحبت علماے عراق اصفہان میں آئے اور آقا حسین خوانساری سے درس لینے لگے۔

بحالت قیام اصفہان انکی شادی حاجی عنایت اللہ اصفہانی کی لڑکی سے ہوئی جو شیخ علی حزیں کی والدہ تھیں۔ جب سے شیخ ابیطالب کی شادی حاجی عنایت اللہ کی لڑکی سے ہوئی شیخ ابیطالب اصفہان میں رہنے لگے۔

بتاریخ ۲۷ ربیع الآخر ۱۱۰۳ ہجری روز دوشنبہ شیخ علی حزیں اصفہان میں پیدا ہوئے جب چار برس کے ہوئے تو ملا شاہ محمد شیرازی نے جو اُس وقت کسی ضرورت سے واردِ اصفہان تھے بسم اللہ کرائی۔ آٹھ برس کی عمر میں ملا حسین قاری اصفہانی سے قرآن مجید پڑھا۔ دو برس میں قرآن مجید ختم کر کے فارسی کی چند کتابیں نظم و نثر پڑھیں۔ پھر رسالہ صرف و نحو و فقہ حفظ کر کے چند رسالے منطق کے پڑھے۔

طبیعت موزوں ذہن رسا پایا تھا۔ شعر گوئی کی طرف رجوع ہو گئے۔ ہر چند انکے اُستاد منع کرتے تھے مگر انکا میلانِ طبع اسکو چھوڑنے نہ دیتا تھا۔ جو کچھ یہ موزوں کرتے تھے پوشیدہ

تاریخ بنارس مطبوعہ ۱۹۱۶ء میں تاریخ پیدائش شیخ ۲۰ جمادی الآخر ۱۱۰۳ھ تحریر ہے جو غلط ہے۔ ملاحظہ ہو کلیات حزیں مطبوعہ مطبع نامی نولکشور ۱۲۹۳ ہجری صفحہ ۱۰ و مفتاح التواریخ صفحہ ۳۲۴۔

رکھتے جاتے تھے

چند روز کے بعد فرطِ محبت سے انکے والد نے خود پڑھانا شروع کیا۔ کئی کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ اسی درمیان میں اپنے والد کے ہمراہ لاہجان اپنے چچا شیخ ابراہیم کے پاس گئے۔ اور ایک سال تک وہاں مقیم رہ کر، اپنے والد کے ایما سے، اپنے چچا سے رسالہ خلاصۃ الحساب پڑھا۔ پھر وہاں سے واپس آنے پر حاجی محمد طاہر اصفہانی و حکیم شیخ عنایت اللہ گیلانی سے بھی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اسکے بعد انکے والد نے بخواہش تربیت، شیخ خلیل اللہ طالقانی کے سپرد کیا۔ تین برس تک اُنکی خدمت میں رہ کر مستفید ہوئے۔ یہ بزرگ، شیخ کو شعر گوئی سے منع نہیں کرتے تھے بلکہ کبھی کبھی خود حکم دیتے تھے کہ کچھ سناؤ۔ تخلص حزیں اُنھیں کا عطیہ ہے۔

جب خلیل اللہ طالقانی نے سفرِ آخرت اختیار کیا تو شیخ بہاءالدین گیلانی سے درس لینے لگے اور فرطِ شوق و ذکاوت سے مختلف فنون و علوم کی کتابیں، جنکو پڑھا نہ تھا، مطالعہ کیا کرتے تھے اور مواضع مشکلہ کو اپنے والد سے پوچھ لیا کرتے تھے۔ اسی طرح بہت سی کتابیں جو پڑھی نہ تھیں حل ہوتی گئیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ طاعت و عبادت کا بھی شوق بڑھتا جاتا تھا۔ مگر باوجود کثرت مشاغل و وظائف کے شیخ کو صحبت شعرا و مشغلۂ شعر و سخن سے کمال دلچسپی رہا کرتی تھی۔

ایک روز انکے والد کے پاس چند شعرا جمع تھے، انکے والد نے جو اُنکی مخفی شاعری کا حال جانتے تھے انکو بھی بلوایا۔ شعرائے حاضرین میں سے کسی نے ملا محتشم کاشی کا یہ شعر پڑھا

اے قامتِ بلند قداں در کمندِ تو رعنائی آفریدۂ قدِ بلندِ تو

انکے والد نے اُنکی طرف متوجہ ہو کر کہا مجھے علم ہے کہ تم کو شاعری کا شوق ہے اگر ہو سکے تو اس طرح میں چند شعر موزوں کرو۔ شیخ نے اُسی وقت ایک مطلع موزوں کیا۔ جب انکے والد کی انپر دوبارہ نظر پڑی اور وہ سمجھے کہ یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں مگر ادب و حجاب مانع ہے تو پڑھنے کی اجازت دی۔ شیخ نے فوراً یہ مطلع سنایا:۔

صید از حرم کشد خمِ جعدِ بلندِ تو فریاد از تطاول مشکیں کمندِ تو

حاضرین جلسہ بہت محظوظ ہوئے فرطِ مسرت سے اُچھل پڑے احسنت و آفریں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ اسی اثنا میں شیخ نے دوسرا شعر سنایا

شدز رشکِ طور راز ادنت کوے عاشقاں　　بنشیں کہ یاد خُردہ جا نہا سپند تو

الغرض اسی طرح تھوڑے تھوڑے غور و تامل میں دوسرے اشعار موزوں کرکے سنائے۔ حضار نے بہت تعریف کی۔ اور کہا کہ اس طرح فی البدیہ اشعار موزوں کرنا ہر شخص کا کام نہیں ہے۔ انکے والد نے بہت خوش ہوکر کہا اب میں نے اجازت دی تم شعر کہا کرو مگر اسقدر منہمک نہ ہو جاؤ کہ وقت ضائع ہو۔

اُسی زمانے میں شیخ کو چند احباب کی صحبت میں گھوڑا دوڑانے کا شوق ہوا۔ ایک روز چند دوستوں کے ساتھ گھوڑا دوڑا رہے تھے کہ گھوڑے سے گر پڑے اور داہنے ہاتھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور ایک سال تک اصلاح میں نہ آئی۔ شیخ نے بائیں ہاتھ سے لکھنے کی مشق کی۔ اُسی وقت ایک مثنوی ساقی نامہ لکھا جس کا ابتدائی شعر یہ ہے

خدایا توئی آگہ از راز و بس　　بہشت از تو دارند پاکان ہوس

من و مستی و کنج میخانۂ　　بہ آزادیم خط پیمانۂ

واقعات کے دیکھتے ہوئے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے تحصیل علم و حصول فیض صحبتِ علما کے لیے بہت دور دراز کے سفر اختیار کیے اور بہت جسمانی تکلیفیں گوارا کی ہیں۔

اب تک شیخ نے تنہا گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا والدین کی نظر سے اوجھل نہیں ہوئے تھے کہ بغرض تحصیل علم دار الافاضل شیراز کے دیکھنے کا اشتیاق ہوگیا۔ والدین سے اجازت کے خواستگار ہوئے۔ الفت پدری، جو خداوند عالم نے ہر ذی روح میں خلقی پیدا کی ہے، کبھی اسکی مقتضی نہیں کہ نور نظر کو، آنکھوں کے سامنے سے، دم بھر کے لیے بھی اوجھل ہونے دے۔ مخصوص ایسے لائق اور ہونہار بیٹے کو۔ لیکن انکے والد نے جو خود ایک ذی علم و قابل شخص تھے اور اپنے بیٹے کو سپہر علم کا مہر تاباں بنانا چاہتے تھے دل پر نہایت جبر گوارا کرکے اجازت دے دی۔

شیخ اجازت پاتے ہی خوشی خوشی اصفہان سے روانہ ہوکر بعد قطع منازل و طے مراحل ....
شیراز میں داخل ہوے اور شیخ محمد مسیح فسائی سے کہ جو آقا حسین خوانساری کے شاگرد
تھے درس لینے لگے۔

کئی سال تک شیراز میں مقیم رہ کر چند کتابیں شیخ محمد مسیح فسائی سے پڑھیں۔ اور جب
تک شیخ محمد مسیح زندہ رہے دوسرے سے درس نہیں لیا۔ بعد وفات شیخ محمد مسیح فسائی کے
چند کتابیں مولوی لطف اللہ شیرازی و باقر صوفی سے پڑھیں۔

عرصہ دراز تک شیراز میں مصروفِ تحصیل علم رہنے کے بعد شیراز سے روانہ ہو کر
محال بیضاے فارس آئے۔ اگرچہ یہاں بجز چند قریہ معمورہ کے شہریت بالکل نہیں رہ گئی تھی
مگر اس مقام کو خوبی آب و ہوا سے ممتاز، مکانات و شکارگاہ سے دلچسپ پایا۔ چند روز
وہاں قیام کیا اور وہاں کے علما و فضلا کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔

محال بیضاے فارس سے روانہ ہوکر اردکان فارس گئے۔ وہاں عبد الکریم اردکانی
سے کہ عابد و عالم تھے علم نجوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، چندے صحبت رہی۔ وہاں سے
پھر شیراز واپس آئے۔ چند روز شیراز میں قیام کرکے شہر فسا ہوتے ہوے شہر گازرون کی
طرف روانہ ہوے۔ شہر گازرون میں پہونچکر معلوم ہوا کہ عارفِ ربانی شیخ سلام اللہ سولستانی
جنکا سلسلۂ مشائخ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا ہے، دنیا سے کنارہ کش ہوکر
پہاڑ میں گوشہ نشیں ہیں، اُنکی خدمت میں حاضر ہونے کی غرض سے ایک گانوں میں ٹھہر گئے
وہاں کے رہنے والوں سے معلوم ہوا کہ یہ بزرگ کسی کو اپنے پاس نہیں آنے دیتے۔ مگر شیخ
کو اُن سے اعتقاد خاص تھا۔ تقدیر راہبر ہوئی، حضوری حاصل ہوگئی۔ چند روز حاضر باشی
کے بعد شیخ نے یہ تمنا ظاہر کی کہ بقیہ زندگی اسی مقام پر بسر کردوں مگر اُنھوں نے اجازت
نہ دی۔ اور رخصت کیا۔ شیخ کا قول ہے کہ اس وقت تک مجھے جسقدر توفیقِ سعادت و خیر
میسر ہوئی ہے اُنھیں بزرگ کی برکت اور نظرِ اشفاق کا نتیجہ ہے۔

شہر گازرون سے روانہ ہوکر شہر سولستان و شہر جہرم و خطۂ لار ہوتے ہوے بندرعباس آئے اور بقصد مکۂ معظمہ جہاز پر سوار ہوے۔ خوبیِ قسمت سے جہاز ہی پر بیمار ہوگئے۔ جب جہاز ساحلِ عمان پر پہونچا ابھی جہاز سے اُترنے بھی نہ پائے تھے کہ ڈاکوؤں نے لوٹ لیا۔ اکثر مسافر جنگل میں پڑے رہگئے۔ شیخ بھی اُسی حالتِ علالت میں پڑے رہے۔ جب صحت ہوئی تو زمانۂ حج گذر چکا تھا۔ وہاں سے واپس ہوکر جزیرۂ بحرین آئے۔ یہاں سے ساحل فارس بندر عمورۂ کنگ میں آکر شیراز چلے آئے۔

اس سفر میں شیخ نے ملک فارس کی اچھی طرح سیر کرلی۔ اب انکے دل میں یہ سمائی کہ دنیا و لذاتِ دنیا کو چھوڑکر پہاڑوں میں کسی مقام پر جہاں گوشۂ ویرانی ہو، گوشہ نشینی اختیار کروں اور خلق خدا سے کنارہ کش ہوکر جو کچھ خدا دے اُسی پر قناعت کروں، لیکن کل امر مرہونِ باوقات تھا۔ اُس وقت شیخ کا یہ خیال پورا نہ ہوسکا، انکے والد کی تحریر بڑے اصرار کی ملی جسکے دیکھتے ہی شیخ کا دل بیچین ہوگیا فوراً بہ ارادۂ اصفہان شیراز سے روانہ ہوے۔

اصفہان میں پہونچکر والدین کی قدمبوسی حاصل کی، بھائیوں سے ملے۔ شیخ کے والدین نے چاہا کہ انکی شادی کردیں مگر شیخ نے اپنے اشتغالِ علمی کو مانع سمجھکر انکار کیا اور تجرُّد و فارغ البالی کو انسب سمجھا۔

۱۱۲۷ھ ہجری میں انکے والد شیخ ابیطالب نے دنیا سے رحلت کی اور دو سال کے بعد انکی والدہ نے بھی جنت کا راستہ لیا۔ اب گھر میں بجز ایک ضعیفہ جدۂ مادری اور دو بھائیوں کے کوئی نہ رہ گیا۔ انکے چچا شیخ ابراہیم جو لاہجان میں انتظام جاگیر کرتے تھے وہ پہلے ہی مرچکے تھے۔ شیخ ان صدموں سے بہت مغموم رہا کرتے تھے۔ اور انکے دل میں دنیا کی طرف سے نفرت اور گوشہ نشینی کی رغبت بڑھتی جاتی تھی۔ لیکن جب پسماندگاں کی بیکسی پر غور کرتے تھے تو مجبور ہو جاتے تھے۔

کل جاگیر و علاقہ شیخ کا صوبۂ گیلان میں تھا۔ انکے چچا کے مرجانے اور کسی غمخوار کے منتظم

نہ ہونے سے اُسکی آمدنی میں جسپر اُنکے تمام اخراجات کا دارمدار تھا، روزافزوں کمی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ اس اطراف میں جہاں جاگیر و علاقہ تھا روس کا قبضہ ہوگیا اور وہ ذریعۂ آمدنی کا قطعی جاتا رہا۔ اس کثرتِ حزن و ملال میں بجز مشغلۂ شعر و سخن کوئی دمساز و دلنواز نہ تھا جو دم بھر بھی انکا غم غلط کرتا۔

چرخ ستمگار اس پر بھی خاموش نہ بیٹھا یعنی شیخ اسی رنج و غم میں مبتلا تھے کہ ایران کے تنزل کا زمانہ شروع ہوچکا تھا۔ افغانیوں نے میرویس خاں قندھاری کو سردار بناکر ایران پر حملہ کیا۔ میرویس خاں اصفہان پہونچا اور شاہ نواز خاں حاکم اصفہان کو قتل کرکے مالکِ خزانہ بن بیٹھا۔ شاہ حسین صفوی ابن سلیمان صفوی سے جسکی فوج ایک مدت سے آرام طلبی کی عادی ہورہی تھی تدارک انسداد قرار واقعی نہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ میرویس خاں کا انتقال ہوگیا اُسکے بعد اُس کا بیٹا محمود خاں قندھاری اسکا جانشیں ہوکر کرمان و یزد میں ہوتا ہوا اور قتل و غارت کرتا ہوا اصفہان میں آیا۔ یہاں بھی لوٹ اور غارتگری شروع کردی۔

اسی لوٹ میں اہل شہر کے ساتھ شیخ کا بھی تمام مال و اسباب و کتب خانہ جسمیں قریب ایک ہزار جلد کتابیں تھیں لُٹ گیا۔ شیخ کے دونوں بھائی و جدۂ مادری کا بھی انتقال ہوچکا تھا۔ شہر کے لوگ ہر گوشے سے نکل کر بھاگ رہے تھے۔ یکم محرم ۱۱۳۵ھ ہجری کو شیخ بھی تغیر لباس اصفہان سے نکلکر قریب کے ایک گانوں میں پوشیدہ ہو رہے۔

۱۵ محرم ۱۱۳۵ھ ہجری کو شاہ محمود قندھاری نے شاہ حسین صفوی کو قید کرکے تمام شہر پر اپنا قبضہ کرلیا۔ شیخ یہ خبر سنکر اُس گانوں سے روانہ ہوے اور خوانساز میں چلے گئے۔ خوانساز سے خرم آباد جو لرستان فیلی کا دارالحکومت تھا پہونچے۔ یہاں علی مرداں حاکم خرم آباد کے ہاں جو شیخ کا شناسا تھا، مقیم ہوے۔ علی مرداں بوجہ علم و فضل کے شیخ کی بہت عزت و احترام کرتا تھا۔

بوجہ صدماتِ متواتر و ہجوم رنج و محن شیخ کے قوائے دماغی بیکار ہوگئے تھے اور کوئی معلومات

صفحۂ خاطر پر نہ رہ گئی تھی۔ ایک سال اسی حالت میں گذری۔ جب صحت ہوئی تو خرم آباد کے معززین و علما سے ملے اور صحبتِ احباب، سیرِ مقامات میں بسر ہونے لگی۔

شاہ طہماسپ ثانی پسر شاہ حسین صفوی بعد قید پدر بخیال تدارک فاغنۂ آذربائیجان میں مقیم تھا کہ آمدِ لشکر روم کی خبر معلوم ہوئی۔ شاہ طہماسپ مع لشکر قزلباش فوجِ روم سے برسرپیکار ہوا۔ روم کی جماعت کثیر ہونے کے ماسوا فوجِ روم کو برابر مدد پہونچتی جاتی تھی، اس وجہ سے شاہ طہماسپ روم کی فوجِ ظفر موج کو روک نہ سکا۔

سپہ سالارِ روم نے خرم آباد پر حملہ کرنا چاہا۔ علی مرداں حاکم خرم آباد نے یہ خبر سنکر چاہا کہ خود شہر کو غارت اور خراب کرکے اور رعایا کو ساتھ لیکر کسی پہاڑ پر چلے جائیں کیونکہ فوج روم کا مقابلہ کرنا اور انپر فتحیاب ہونا مشکل ہے۔ شیخ نے بنظر ہمدردی یہ رائے دی کہ ایسے شہر رشکِ ارم کو اپنے ہاتھوں خراب کرکے خلق اللہ کو پریشانی میں ڈالنا، بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کو سرہلاکت رکھنے سے بہتر یہ ہے کہ تمام لوگ متفق و مستعد ہو جائیں اور دشمن کو روکنے کی کوشش کریں۔ اس رائے کو سب نے پسند کیا اور باہم عہد و پیمان ہونے کے بعد سب نے مسلح ہو کر حصار و قلعہ کو مستحکم کیا۔ رومیوں نے آذربائیجاں سے چل کر ہمدان پر حملہ کیا اور بعد جنگِ عظیم ایرانیوں سے ہمدان لیلیا اور بہت سے معززو نامی اشخاص کو گرفتار کرلیا۔ اُن قیدیوں میں کچھ احباب شیخ کے بھی تھے۔ جبکہ شیخ غیروں کے ساتھ ہمدردی و احسان کرنے کے عادی تھے تو اپنے دوستوں کو قید میں دیکھنا انکی حمیت اور ہمدردی کے کب شایان شان تھا۔ جس وقت شیخ نے اپنے دوستوں کا قید میں جانا سنا بے چین ہو گئے۔ اپنی جگہ پر خاموش نہ بیٹھ سکے۔ نشتر آدمیوں کو ہمراہ لیکر روم کے لشکر کی طرف روانہ ہوے۔ لشکر روم میں اکثر معززین کرمان شاہاں بھی تھے اور وہ لوگ شیخ کے قدیم شناساؤں میں تھے۔ شیخ نے اُن لوگوں کے ذریعے سے تمام قیدیوں کو رہائی دلوائی اور مقام محفوظ میں پہونچا کر آپ خرم آباد چلے آئے۔

شیخ اُن لوگوں کو پہونچا کر آپ خرم آباد آئے مگر اب خرم آباد کو بھی سپاہِ روم کے خوف سے

خالی نہ پایا۔ اس لیے وہاں سے روانہ ہو کر بصرہ آئے۔ بصرے آنے پر خیال آیا کہ حج کا زمانہ قریب ہے۔ فوراً بصرے سے روانہ ہو کر بغداد آئے۔ یہاں جہاز بقصد حج کھل رہا تھا سوار ہو گئے۔ چالیس روز کی مسافت طے کر کے جہاز ساحل یمن پر پہونچا۔ ع۔ تقدیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی۔ شیخ اس مرتبہ پھر بیمار ہو گئے۔ اور زمانۂ حج گذر گیا۔ شیخ نہایت افسوس کے ساتھ اُسی حالتِ بیماری میں واپس ہو کر بصرہ و لرستان فیلی ہوتے ہوئے خرم آباد آئے۔

شیخ بحالتِ بیماری خرم آباد میں مقیم تھے کہ احمد پاشا ابن حسن پاشا سردار روم کے آنے کی خبر مشہور ہوئی۔ اور یہاں کے لوگ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں جا چھپے۔ شیخ بوجہ علالت مع چند خدمتگاروں کے وہیں رہ گئے تھے کہ احمد پاشا مع فوج ظفر موج شہر میں داخل ہو گیا۔ اب شیخ نے تنہا رہنا مناسب نہ سمجھا اور لشکر روم میں چلے گئے۔

سردار روم نے اپنی طرف سے ایک شخص کو وہاں کا حاکم مقرر کر کے وہاں سے مراجعت کی۔ شیخ بھی اُنھیں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ بسبب ضعف و بیماری کرمان شاہاں میں آ کر رہ گئے۔ جب بخوبی صحت ہو گئی تو کرمان شاہاں سے روانہ ہو کر بغداد پہونچے اور بغداد سے کربلائے معلٰی و نجف اشرف میں تین سال مقیم رہے۔ یہاں سے بقصد مشہد و خراسان روانہ ہوئے۔ مگر جنگ کا زمانہ تھا۔ تمام راستہ مخدوش ہو رہا تھا، مشہد نہ جا سکے پھر کرمان شاہاں میں چلے آئے۔ یہاں سے آذربائیجان آئے مگر یہاں بھی آب و دانے نے رہنے نہ دیا اردبیل و گیلان ہوتے ہوئے شہر استارا میں جو کسی وقت شیخ کے اجداد کا وطن تھا، آئے۔

اُسوقت شہر استارا میں یحییٰ خاں حاکم تھا۔ بوجہ قابلیتِ علمی شیخ کی بہت قدر کی اور قیام کے لیے مُصر ہوا۔ شیخ اُسکے اصرار سے چند روز استارا میں مقیم رہے۔ یہاں شیخ کے چند ہمراہی طاعون میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو گئے اس وجہ سے شیخ وہاں سے روانہ ہو کر مازندران آئے۔

جب شاہ طہاسپ فوج روم سے برسرپیکار تھا، افغانوں نے موقع پا کر سرحد خراسان

تک قبضہ کر لیا تھا۔ کچھ حصے کے مالک تو افغان ہو گئے تھے بقیہ حصہ خراسان پر ملک محمود سیستانی حاکم نیمروز جو شاہی نمکخوار تھا، بادشاہ سے منحرف ہو کر قابض ہو گیا اور خود صاحب سکہ وخطبہ ہو کر مشہد میں مقیم تھا۔ بادشاہ طہماسپ میں قوتِ محاربہ باقی نہیں رہ گئی تھی جو ملک محمود کو اُسکی خودسری کی سزا دے سکتا۔ بادشاہ اسی فکر میں تھا کہ ایک جماعت استرآبادی اور چند دیگر گروہ آ آ کر لشکرِ شاہی میں شامل ہوئے۔ جب بادشاہ کی طرف جمعیت کافی ہو گئی تو شاہ طہماسپ اور ملک محمود میں مقابلہ ہوا۔ چند روز تک خونریز جنگ ہوتی رہی بالآخر ملک محمود قید ہوا اور قید میں ہلاک کر دیا گیا۔

جو گروہ اس جنگ میں شاہی لشکر کے مددگار اور شاہ طہماسپ کی فتح میں ساعی ہوئے اُن میں سے ایک گروہ کا سردار نادر قلی بیگ بھی تھا۔ آدمی شجاع وبہادر تھا۔ جب شاہ طہماسپ نے اس جنگ میں اسکی کارگذاریاں دیکھیں تو یہ خیال کر کے کہ شاید اسکی بدولت ایران کی زوالی حالت میں ترقی کی صورت پیدا ہو، نادر قلی کو خراسان کی فوج کا سپہ سالار مقرر کیا۔ تقدیر راہبر تھی، رفتہ رفتہ موردِ الطاف شاہی ہو کر بہت بڑے مرتبے پر پہونچ گیا۔ یہاں تک کہ طہماسپ قلی خاں خطاب پایا۔ تمام ملکی انتظامات اُسکے ہاتھ میں دے دیے گئے اور اُس کو پورا استقلال ہو گیا۔ طہماسپ قلی خاں کی روزافزوں ترقی وسرفرازی دیکھ دیکھکر دوسرے امراد ارکین دل ہی دل میں بُرا مانتے تھے۔ طہماسپ قلی خاں بھی اُن امرا وارباب مناصب سے صفائی نہ رکھتا تھا بلکہ اُن لوگوں کو خارِ راہ سمجھتا تھا۔

جب بادشاہ طہماسپ مشہد میں مقیم تھا، شیخ مازندراں سے روانہ ہو کر استرآباد ہوتے ہوئے مشہد آئے اور بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ بادشاہ نے بخیال اُنکے علم وفضل کے بہت عزت کی۔ شیخ ارکین سلطنت میں شامل ہو کر بادشاہ کے حضور میں رہنے لگے۔

لہ نادر قلی، امام قلی گڈریے کا بیٹا تھا۔ سنہ ۱۱۰۰ ہجری میں پیدا ہوا۔ ابتدا میں بہت غریب شخص تھا۔ ایک عرصہ تک لوٹیروں کے گروہ میں رہ کر لوٹ مار سے گذر اوقات کرتا رہا۔

ماہ صفر ۱۱۴۲ہجری میں اشرف خاں افغان محمود شاہ قندھاری کا چچازاد بھائی فوج لیکر خراسان کی طرف متوجہ ہوا۔ بادشاہ طہماسپ طہماسپ قلی خاں معہ دیگر امراو ارکین فوج موجودۂ مشہد لیکر بقصد مقابلہ روانہ ہوے۔ بادشاہ نے شیخ کو بھی ہمراہ چلنے کا حکم دیا۔ مجبوراً منزل اول تک شیخ ہمراہ رہے مگر معذرت کرکے عقب لشکر باطمینان روانہ ہوتے رہے۔ شیخ کو شہر سبزوار سے تپ آنے لگی۔ افغان میں پہونچکر ٹھہر گئے۔ جب افاقہ ہوا تو شہر سارا مازندران میں آئے یہاں سے چند روز کے بعد طہران چلے گئے۔

اشرف خاں افغان بعد شکست فارس کی طرف بھاگا۔ طہماسپ قلیخاں مع فوج اُسکے عقب میں مامور ہوا۔ شیراز میں پہونچکر افغان و طہماسپ قلیخاں میں پھر جنگ ہوئی وہاں بھی افغان کو شکست ہوئی۔ پندرہ روز کے بعد خطۂ لار میں پہونچا وہاں سے بھی شکست کے بعد قندھار اور قندھار سے بلوچستان پہونچا۔ ہر جگہ اسکے ہمراہی کم ہوتے جاتے تھے بلوچستان میں پہونچنے پر صرف دو تین ہمراہی باقی رہ گئے تھے، پسر عبداللہ بلوچ نے اشرف خاں افغان کو قتل کرکے اُسکا سر مع ایک وزنی ہیرے کے جو اُسکے بازو پر تھا طہماسپ شاہ کے پاس بھیجدیا۔

طہماسپ قلی خاں اشرف خاں افغان کو شکست دیکر فارس سے روانہ ہوا۔ عربستان و لرستان فیلی ہوتا ہوا قلمرو علیشکر میں آکر حاکم ہمدان و لشکر روم سے برسرپیکار ہوا اور فتح پائی۔ وہاں سے آگے بڑھا آذربائیجان پہونچکر رومیوں سے جنگ کی۔ تبریز کو رومیوں کے قبضہ سے چھوڑالیا اور آب ارس کے ایک طرف قبضہ کرکے حکام مقرر کردیے اور دوسری طرف امراے روم سے صلح کرلی۔ قلعۂ ہرات خالی پاکر دشمن قابض ہوگئے تھے طہماسپ قلیخاں اُنکی طرف متوجہ ہوا اور قلعہ ہرات پر جاکر قبضہ کیا۔

شیخ طہران سے روانہ ہوکر اصفہان آئے۔ بادشاہ طہماسپ اُس وقت اصفہان میں موجود تھا۔ چھ ماہ تک بادشاہ کے حضور میں رہے۔ اس درمیان میں شیخ نے بادشاہ سے

چند مفید باتیں کہیں اور بارہا ایسی رائے دی جو باعث بقائے ملک و دولت تھی مگر موافق نہ پڑی[1]
نواح ہمدان میں کچھ لوگ خود سر ہوگئے اور قلعہ درست کیا تھا۔ بادشاہ طہماسپ
اُنکی سرکوبی اور بقیہ[2] آذربائیجان کو چھڑانے کی غرض سے اصفہان سے روانہ ہوا۔ شیخ کو بھی
ہمراہ لینا چاہا مگر شیخ سامان سفر درست نہ رہنے کا عذر پیش کر کے رہ گئے اور وہاں سے
شیراز چلے آئے۔ چند روز شیراز میں گزار رہ کر بندر عباس پہونچے اور انگریزی جہاز پر
سوار ہو کر جدہ آئے اور ایک قافلہ کے ساتھ جدہ سے مکہ معظمہ پہونچ گئے۔ ایک مدت کی تمنا
(حج بیت اللہ شریف) پوری ہوئی۔

بادشاہ طہماسپ اصفہان سے روانہ ہو کر نواح ہمدان میں پہونچا۔ وہاں احمد پاشا
سردار روم سے جنگ عظیم کے بعد صلح کرلی۔ احمد پاشا بغداد چلا گیا۔

اُدھر[3] تو بادشاہ کا بہادر سپہ سالار طہماسپ قلیخاں جنگ اور دشمنوں کی سرکوبی میں
مصروف تھا اِدھر یہ ضعیف العقل بادشاہ، طہماسپ قلیخاں کے مفتوحہ و مقبوضہ مقامات
کھو رہا تھا۔

طہماسپ قلیخاں نے صلح ہمدان کو، جو بادشاہ نے احمد پاشا سے کی تھی نامنظور کر دیا۔
اور اسی نقص کی وجہ سے طہماسپ شاہ کو تخت سے اتار کر اُسکے بیٹے عباس کو جو صرف چند ماہ
کا تھا بادشاہ نامزد کر لیا۔ پھر آپ بطور نائب سلطان انتظام سلطنت میں مصروف ہوا۔

۱۱۵۰ ہجری میں جب شیخ بعد حصول شرف حج بیت اللہ شریف بندر عباس میں واپس آئے

---

[1] اگرچہ وہ مفید باتیں جو شیخ نے کہی تھیں معلوم نہیں ہوئیں کہ کیا تھیں مگر صورت حال سے یقین ہوتا ہے
کہ ہو نہ ہو وہ باتیں طہماسپ قلی خاں کے خلاف تھیں جس وجہ سے شیخ کی طرف سے بھی طہماسپ قلیخاں مکدر تھا
اور اُسکا نتیجہ یہ ہوا کہ شیخ کو عمر بھر کے لیے ایران چھوڑنے پر مجبور ہونا پڑا۔

[2] یہ وہی بقیہ آذربائیجان ہے جسکی نسبت طہماسپ قلیخاں نے سرداران روم سے مصالحۃً صلح کرلی تھی۔

[3] ملاحظہ ہو تاریخ ایران مولفہ منشی حسینی مدرس مطبوعہ [illegible] مطبع اُردو اخبار پریس دہلی۔

تو سنا کہ ایران میں تغیر حکومت ہوگیا ہے، بادشاہ طہماسپ قید کر لیا گیا، طہماسپ قلی خود متصرف ہو گیا۔ یہ خبر سنکر شیخ دو ماہ تک بندر عباس میں مقیم رہے۔ وہاں سے روانہ ہوکر اصفہان آئے مگر اصفہان کی جاے اقامت نہ پایا۔ وہاں سے لار آئے لار آنے پر معلوم ہوا کہ لار کا حاکم سابق گرفتار ہوگیا اور خان معظم[1] کی طرف سے حاکم جدید مقرر ہوگیا ہے۔

بحکم خان معظم، محمد خاں بلوچ سردار فارس مقرر کیا گیا اُسنے باتفاق ہلے حاکم شیراز خطۂ لار کا قصد کیا۔ جب محمد خاں بلوچ کی فوج شہر جہرم میں پہونچی اور عبد الغنی حاکم جہرم سے جو شیخ کا دوست تھا کوئی معاملہ طے نہیں ہوا تو نوبت جنگ کی پہونچی۔

اُدھر تو جہرم میں جنگ ہو رہی تھی، ادھر لار کے لوگوں میں غضب کی شورش پھیل گئی آخر کار بلوہ ہوگیا اور بلوائیوں نے حاکم لار کو مع چند غلاموں کے قتل کر ڈالا۔ طرفداران خان معظم نے اس بلوے کو باشارۂ شیخ سمجھا۔ سردار فارس جو شہر جہرم کو محصور کیے ہوے تھا، اس بلوے کی خبر سنتے ہی حاکم شیراز کو معہ فوج جہرم کے محاصرہ پر چھوڑ کر خود لشکر گراں کے ساتھ خطۂ لار میں آگیا۔ اور شہر میں قتل عام شروع کردیا۔ شہر والے اپنی جان بچاکر بھاگ رہے تھے اُنھیں کے ساتھ شیخ بھی نکل گئے اور بندر عباس چلے آئے۔

احمد پاشا بعد جنگ ہمدان بغداد کی طرف چلا گیا تھا اور خان معظم نے صلح کو جو بادشاہ نے رومیوں سے کی تھی نامنظور کر دیا تھا۔ جب یہ خبر روم میں پہونچی تو روم سے توپال پاشا سپہ سالار روم مع فوج کثیر کے امداد کے لیے بھیجا گیا اور بعد جنگ عظیم کے خان معظم کو شکست ہوئی۔ لیکن خان معظم نے چند روز میں پھر فوج جمع کر کے سنہ ۱۱۴۶ ہجری[2] میں جنگ کی اور فتح پائی توپال پاشا مارا گیا اور بغداد شریف میں مقبرہ حضرت امام ابو حنیفہؒ میں دفن ہوا۔

---

[1] طہماسپ شاہ کے تخت سے اُتارے جانے کے بعد طہماسپ قلی خان کا لقب خان معظم ہوگیا۔

[2] تاریخ فارس مطبوعہ ۱۹۱۶ء میں توپال پاشا کا مارا جانا سنہ ۱۱۴۲ ہجری میں لکھا ہے جو صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ سوانح عمری شیخ مطبوعہ مسلم پریس دہلی سنہ ۱۳۲۹ ہجری کے صفحہ ۶ سطر ۹ میں صاف (ست و اربعین و مائۃ بعد الالف) تحریر ہے۔

جب شیخ نے ایران کی یہ حالت دیکھی تو دوسری ولایت چلے جانے کا قصد کر لیا جہاز سندھ کی طرف جا رہا تھا۔ ۱۰ رمضان المبارک ۱۱۴۶ھ ہجری کو اُسی جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ غرۂ شوال[1] ۱۱۴۶ھ ہجری کو جہاز ساحل ٹھٹھہ پر جو سندھ کا صدر مقام ہے پہونچا۔ شیخ کا خیال تھا کہ یہاں کوئی شخص مجھے نہ پہچانے گا مگر اُسی روز ایک گروہِ تجار نے کہ فارس میں شیخ کو دیکھا تھا، پہچان لیا۔

خان معظم توپال پاشا کو مار کر جب اس مہم سے فتحیاب واپس آیا تو سنا کہ شاہ عباس یعنی وہ لڑکا جو بادشاہ کہلاتا تھا فوت ہو گیا تختِ ایران خالی ہے۔ اسی درمیان میں تقریب نو روز ۱۷۳۶ء تمام امرا و سرداران ایران نے جمع ہو کر خان معظم سے استدعا کی کہ آپ بادشاہتِ ایران قبول فرمایئے۔ مگر خان معظم نے بظاہر انکار کیا۔ جب امرا و اراکین نے بمنت و سماجت تمام اصرار کیا۔ اُس وقت خان معظم جو مذہب شیعہ ترک کر کے سُنی ہو چکا تھا اس شرط پر بادشاہت قبول کرنے کا وعدہ کیا کہ مذہب امامیہ موقوف کر دیا جائے اور سب لوگ سُنی رہیں تاکہ ایک مذہب ہو جانے سے تمام مسلمانوں میں سلوک اور موافقت پیدا ہو۔ اگرچہ یہ شرط تمام قوم کی مرضی کے موافق نہ تھی اور نادر شاہ کے مرنے کے بعد وہ لوگ پھر شیعہ ہو گئے مگر اُس وقت اس انقلاب کا[2] اقرار کیا گیا اور خان معظم ۱۱۴۸ھ ہجری مطابق ۱۷۳۶ء میں ملقب نادر شاہ بادشاہِ ایران مقرر ہوا۔

شیخ چند روز ٹھٹھہ میں رہے وہاں سے بسواریِ کشتی خدا آباد میں جو سندھ کا ایک قریہ ور

[1] تاریخ بنارس میں شیخ کا حج سے ۱۱۴۵ھ ہجری میں بندر عباس واپس آکر تغیر ایران کی خبر سننا۔ اور شیخ کا یہ اوضاع ایران دیکھکر بلاد سندھ کی طرف جانا اور ٹھٹھہ میں غرۂ شوال ۱۱۴۶ھ ہجری کو پہونچنا لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بنارس صفحہ ۴۰۲ سطر ۵ و صفحہ ۴۰۶ سطر ۶ و ۱۴ لغایت ۱۹۔ اس جگہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جب شیخ ۱۱۴۰ھ ہجری میں بمقام ٹھٹھہ (سندھ) آگئے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ سندھ میں آنے کے بعد پھر شیخ کو ایران جانا میسر نہیں ہوا تو پھر ۱۱۴۵ھ ہجری میں حج کے بعد بندر عباس کیونکر پہونچ گئے جو تغیر ایران کی خبر سنی۔

[2] ملاحظہ ہو تاریخ ایران مطبوعہ ۱۸۴۵ء [illegible]

ٹھٹھہ سے چند روز کی مسافت پر واقع ہے، آئے۔ اور خدا آباد سے بسواری کشتی روانہ ہوکر تین روز کے بعد شہر بھکر میں پہونچے۔ یہ شہر دریاے سندھ کے کنارے پر واقع ہے اور خراسان کے تجار اسی راہ سے ہندوستان میں داخل ہوتے ہیں۔ مگر مفارقت ایران اور انکی بے سروسامانی نے جوان کو ہردم بے چین و بیقرار رکھتی تھی یہاں بھی نہ رہنے دیا اور بھکر سے روانہ ہوکر ملتان گئے ملتان بہت لانبا چوڑا شہر نہیں ہے لیکن یہاں کے لوگ متمول زیادہ ہیں۔ یہاں بھی تنہائی و ناکامی سے طبیعت پریشان رہی جی نہ لگا۔ بہزار خرابی چند روز تک ملتان میں مقیم رہ کر اپنے ہوش پریدہ و حواس رمیدہ کو یہ ندا دیتے رہے۔

مطرب سماع برکش و ساقی شراب دہ ایام را اجال و فلک را جواب دہ

زمانۂ قیام ملتان میں بموسم گرما دریاے سندھ میں سیلاب آیا اور تمام صحرا و عمارات و مکانات پر پانی چڑھ گیا آمد و رفت بذریعہ کشتی ہوتی رہی۔ جب سیلاب کم ہوا وبائی بیماریاں پھیل گئیں اور پانچ چھ مہینے تک یہ بلائیں ملتان پر نازل رہیں۔ شیخ بھی تپ میں مبتلا ہوگئے۔ اُسی زمانہ سختی میں شیخ ملتان سے روانہ ہوکر لاہور آئے۔ لاہور دریاے انڈس کے جو کشمیر سے آکر لاہور سے گذرتا ہوا ملتان جاتا ہے کنارے پر ہے اور بوجہ دارالقیام شاہان مغلیہ کے نہایت خوشنما اور بے نظیر شہر ہے۔ ایک تو علالت دوسرے تکلیفِ مسافت، شیخ لاہور میں پہونچ کر نہایت ناتوان ہوگئے تھے جب صحت ہوئی تو کچھ ایسے وجوہ پیش آئے۔ جنکے باعث شیخ کو لاہور سے روانہ ہونا اور بلا خواہش و قصد دہلی آنا پڑا۔ دہلی میں ایک سال کے قریب مقیم رہے۔

ایران کی محبت کہیں آرام سے نہ بیٹھنے دیتی تھی، رہ رہ کر نشتر کی طرح دل میں چبھکر تڑپا دیا کرتی تھی۔ کابل و قندھار کی راہ سے خراسان چلے جانے کا مصمم ارادہ دل میں ٹھان کر شیخ دہلی سے پھر لاہور کی طرف روانہ ہوے۔

اِدھر تو شیخ خراسان کی تمنا میں دہلی سے روانہ ہو رہے تھے اُدھر تقدیر انکی تمنا پر ہنستی تھی۔ کیونکہ ملک ہند کی زمین شیخ کو اپنی گود میں قیامت تک سلائے رکھنے کے لیے آغوش کیے ہوئے

کھول چکی تھی۔ الغرض ۱۱۴۹ھ ہجری میں جب شیخ لاہور پہونچے تو یہ خبر سنی کہ نادر شاہ کی فوج بارادۂ تسخیر و واپسی قندھار قندھار میں موجود ہے۔ یہ خبر سنکر شیخ نے اپنی بدنصیبی پر سخت تاسف کیا اور لاہور میں ٹھہر کر منتظر رہے کہ معاملہ قندھار طے ہو اور راہ میں امن ہو جائے تو خراسان روانہ ہوں، مگر راہ میں امن ہوا کیا وہ شورش جو قندھار میں پھیل رہی تھی سیلاب کی طرح پنجاب کی طرف بڑھنے لگی۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دنوں میں اُس بڑھتے ہوئے سیلاب نے تمام پنجاب کو گھیر لیا۔ ملی الخصوص لاہور خاص میں آمد نادر شاہ سے غضب کی ہلچل مچ گئی۔

جب نادر شاہ اطراف لاہور میں پہونچ گیا تو شیخ بخوف نادر لاہور سے روانہ ہوکر پھر دہلی آئے اور دو تین خدمتگاروں کو لیکر گوشہ نشینی اختیار کی۔

۱۱۵۱ھ ہجری میں نادر شاہ دہلی میں آیا اور محمد شاہ بادشاہ دہلی سے سخت جنگ ہوئی۔ بالآخر نظام الملک آصفجاہ کی کوشش سے صلح ہوئی اور نادر شاہ مع فوج بتاریخ ۸ ذیحجہ ۱۱۵۱ھ ہجری مطابق ۸ مارچ ۱۷۳۹ء شہر میں آکر قلعہ شاہجہان آباد میں اُترا اور محمد شاہ کا مہمان ہوا۔ دوسرے تیسرے روز جب بھنگیر خانے والوں نے یہ شور کر دیا کہ نادر مارا گیا، تو ۱۱ ذیحجہ ۱۱۵۱ھ ہجری کو نادر شاہ نے دہلی میں قتل عام کا حکم دیا۔ اور ۱۶ محرم ۱۱۵۲ھ ہجری مطابق ۱۴ اپریل ۱۷۳۹ء

لـہ تاریخ بنارس میں لکھا گیا ہے کہ ۱۱۴۵ھ ہجری میں شیخ لاہور سے دلی گئے اور ۱۱۴۶ھ ہجری میں پھر بہ ارادۂ واپسی خراسان دلی سے لاہور آئے تو ۱۱۴۸ھ میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ قندھار میں لشکر قزلباش موجود ہے۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ نادر شاہ نے ۱۱۴۹ھ میں قندھار کا قصد کیا۔ تیسری جگہ لکھا ہے کہ نادر شاہ قندہار ۱۱۴۹ھ ہجری میں آگئے۔ ملاحظہ ہو تاریخ بنارس مطبوعہ ۱۹۱۶ء صفحہ ۴۰۸ سطر ۱۹ و ۲۰ و صفحہ ۴۰۹ سطر ۱ و ۲ و صفحہ ۴۱۱ سطر ۱۸ و صفحہ ۴۱۲ سطر ۱۵۔ اس جگہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ (۱) جب ۱۱۴۵ھ میں شیخ حج کے بعد بندر عباس پہونچے اور تغیر حکومت ایران کی خبر سنی تو پھر ۱۱۴۵ھ میں لاہور سے دلی کیونکر آگئے (۲) اور جب ۱۱۴۹ھ میں نادر کی فوج قندھار میں آئی تو شیخ نے ۱۱۴۶ھ یا ۱۱۴۸ھ میں لاہور پہونچکر یہ خبر کیونکر سُن لی کہ قندھار میں نادر شاہ کا لشکر موجود ہے۔

کو نادرشاہ ایران کی طرف واپس روانہ ہوا۔

مفصل حال نادرشاہ کے دہلی آنے کا یہ ہے کہ نادرشاہ نے جب افغانوں کو قندھار سے نکالا تو تمام افغان کوہستانی کابل میں پھیل گئے اُس وقت کابل میں سلطنت ہند کی طرف سے صوبہ دار رہتا تھا۔ اسلیے نادرشاہ نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے پاس ایلچی بھیجا کہ آپ بھی اپنے صوبہ کے نام افغانوں کے نکال دینے کے لیے حکم بھیجدیں جس میں دونوں جانب سے دباکر افغانوں کو قرار واقعی گوشمالی دی جائے۔

وہ ایلچی نادرشاہ کا راستے ہی میں مار ڈالا گیا۔ یہاں اُن دنوں عیش و عشرت کا کچھ ایسا غل بلند ہو رہا تھا کہ ایلچی کے قتل کی خبر کسی کے کان تک نہ پہونچی۔ چند روز کے بعد نادرشاہ نے پھر خط لکھا مگر اُسکا بھی جواب ندارد۔ آخر کو نادرشاہ نے خود ہندوستان کا قصد کیا۔ یہاں کانوں میں ایسی غفلت کی روئی بھری ہوئی تھی کہ بجز ناچ گانے کے کسی دوسری خبر کی آواز ہی نہیں سنائی دیتی تھی۔ کابل و لاہور کے حاکموں کی جو عرضیاں آتی تھیں وہ بھی بغیر ملاحظہ پڑی رہتی تھیں۔ بادشاہ کو انکے ملاحظہ کی بھی فرصت نہ ملتی تھی۔ یہاں تک کہ نادرشاہ نے کابل کو گھیر لیا۔ کابل کے حاکم نے نہایت اضطراب کے ساتھ عرضی لکھی۔ جسوقت وہ خریطہ محمد شاہ بادشاہ کے حضور میں پیش ہوا بادشاہ مہتاب باغ میں ناچ دیکھ رہا تھا، سُرور بھی بڑھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے عرضی لیکر اُسکا گوشہ شراب میں ڈبویا اور کہا

این دفتر بے معنی غرقِ مے ناب اولیٰ

امیر الامرا نظام الملک آصفجاہ کی دانائی و تجربہ کاری کو اہل دربار مانے ہوے تھے اسلیے نادرشاہ کی آمد کی خبر سنکر آصفجاہ کو بلوایا ادھر نادرشاہ نے کابل فتح کرکے پھر محمد شاہ کو خط لکھا۔ یہاں دربار میں یہ اُلجھن پڑی تھی کہ کئی خط اور کئی ایلچی آچکے ادھر سے جواب نہین گیا۔ اب جواب کیا لکھا جائے۔ اور لکھا بھی جائے تو اس میں القاب کیا لکھا جائے؟ کیونکہ نادرشاہ کوئی خاندانی بادشاہ نہیں ہے۔ اتنے میں خبر آئی کہ نادرشاہ کا لشکر دریاے اٹک

اُتر آیا۔ یہ خبر سُنکر اب یہاں بھی کوچ کی تیاری ہونے لگی۔ خان دوران مقابلے کے لیے مع فوج روانہ کیا گیا۔ برہان الملک کی طلبی کے لیے ادوھ آدمی بھیجا گیا۔

خان دوران فوجِ شاہی لیکر دہلی روانہ ہوا مگر اس سستی و آہستگی کے ساتھ روانہ ہوا کہ دو مہینے میں دہلی سے کرنال تک جو چالیس کوس کے فاصلے پر ہے پہونچا۔ شاہی فوج براتیوں کی طرح نہر کے کنارے پڑی تھی اور برہان الملک کا انتظار ہو رہا تھا۔ جسدن اودھ سے برہان الملک آکر لشکر شاہی میں شامل ہوا اتفاق سے اُسی دن نادر شاہ بھی قریب آگیا مگر یہاں کسی کو خبر نہ ہوئی۔

چند گھسیارے زخمی و بدحواس دوڑے ہوے آئے کہ ہم جنگل میں گھانس کھودنے گئے تھے، نادری قراولوں نے کئی آدمیوں کو گرفتار کر لیا، ہم لوگ بھاگ کر یہاں تک پہونچے۔ اِدھر یہ تذکرہ ہی تھا کہ چند قزلباش برہان الملک کے ڈیرے پر ہاتھ مار گئے۔ یہ خبر سُنکر برہان الملک فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور فوج لیکر لڑنے کو روانہ ہوگیا۔ خان دوران کو جو یہ خبر ملی تو وہ بھی اپنی فوج لیکر برہان الملک کی فوج سے آملا۔ اُدھر سے نادر شاہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنی ولایتی فوج کو تین طرف سے حملے کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہندستانی عیش پروردہ فوجیں پریشان ہوگئیں۔ بہت سے سردار مارے گئے خان دوران بھی زخمی ہوا۔ خانِ دوران کے زخمی ہوتے ہی لشکر میں شکست کی ہوا اُڑ گئی۔ اب صرف برہان الملک اپنے چند رفیقوں کے ساتھ میدان جنگ میں رہ گیا اور جواں مردی سے ہاتھی پر بیٹھا ہوا تیر مارتا تھا کہ ایک ایرانی فوج نے چار طرف سے گھیر لیا۔ ایک سپاہی گھوڑا دوڑا کر ہاتھی کے پاس آیا اور گھوڑے سے اُتر کر رسّا تھام کر ہودج میں جا بیٹھا۔ برہان الملک نے بموجب دستور ایران اپنے کو گرفتار سمجھکر کمان ہاتھ سے رکھدی۔ ایرانی سپاہی ہاتھی کو گھیر کر اپنے لشکر میں لے گئے نادر شاہ نے جرم بخشی کرکے عنایت فرمائی۔ اُس وقت برہان الملک نے موقع پاکر مصلحت آمیز گفتگو شروع کی اور نادر شاہ کو اس بات پر رضامند کیا کہ حضور ایک معقول نذرانہ لیکر یہیں سے

واپس تشریف لے جائیں۔ نادرشاہ رضی ہوگیا۔ برہان الملک نے اس حال سے بادشاہ کو اطلاع دی اور آصفجاہ کو رقعہ لکھا کہ تم آکر اسکا فیصلہ کرلو۔ محمد شاہ نے فوراً آصفجاہ کو روانہ کیا۔ برہان الملک آصفجاہ کو ہمراہ لیکر نادرشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بعد گفتگو یہ طے پایا کہ دو کرور روپیہ لیکر یہیں سے ایران کو مراجعت فرمائی جائے۔ نادرشاہ دو کرور روپیہ لیکر ایران واپس چلے جانے پر رضامند ہوگیا۔ آصف جاہ نے واپس آکر بادشاہ کے حضور میں کل حال بیان کیا۔ دوسرے روز محمد شاہ اور نادرشاہ سے ملاقات کی ٹھیری۔ ادھر سے بادشاہ بڑے تزک و احتشام سے روانہ ہوا اُدھر سے نادرشاہ نے اپنے بیٹے کو استقبال کے لیے بھیجا۔ وہ راہ میں آکر ملا اور بادشاہ کے ہمرکاب ہوکر نادرشاہ کے پاس لے گیا۔ نادرشاہ لب فرش تک استقبال کے لیے آیا۔ اور اپنے مسند پر نہایت تعظیم سے بٹھایا۔ آپس میں باتیں شروع ہوئیں۔ چاے کا دور چلنے لگا۔ تھوڑے عرصے کے بعد بادشاہ نے ہنسی خوشی مراجعت کی۔

خان دوران کے زخمی ہوکر انتقال کرنے کے بعد اس لقب و منصب کو برہان الملک اپنا حق سمجھے ہوے تھا۔ مگر نظام الملک آصفجاہ کے خطاب و خلعت پانے کا حال سنا تو آتش حسد سے جلکر نادرشاہ سے کہا کہ حضور نے یہ کیا غضب کیا جو ہندوستان کے قارونی خزانے کو چھوڑکر صرف دو کرور روپے پر رضامند ہوگئے یہ رقم تو فقط غلام ادا کرسکتا ہے۔ شہر یہاں سے چالیس کوس کے فاصلے پر ہے حضور وہاں تک تکلیف فرمائیں۔ یہ سنکر نادرشاہ خوش ہوگیا اور اُسی وقت آصفجاہ کو بلا کر کہا کہ تم ٹھہر جاؤ اور اپنے بادشاہ کو بھی بُلا لو۔ آصفجاہ نے کہا کہ عہد نامے میں تو یہ شرط نہ تھی۔ نادرشاہ نے جواب دیا کہ ملک و سلطنت اور بادشاہ کی عزت و آبرو سے ہمیں کوئی تعرض نہیں ہے فقط ایک مرتبہ ہم اور ملنا چاہتے ہیں۔

امیر الامرا نظام الملک آصفجاہ نے ناچار پھر بادشاہ کو اطلاع دی اور بادشاہ کو مجبوراً پھر نادرشاہ سے ملنا پڑا۔ نادرشاہ نے بادشاہ کو عزت و احترام کے ساتھ الگ خیمے میں اُتروایا

اِدھر تو نادر شاہ نے بادشاہ اور آصفجاہ کو یہاں روک لیا، اُدھر اپنے ایک سردار کو فرمان دیکر شہر میں بھیجدیا۔ اُسنے جاتے ہی قلعہ دار سے کنجیاں لیلیں۔ اور تمام کارخانوں پر قبضہ کرلیا دوسرے دن نادر شاہ محمد شاہ کو لیکر دہلی آیا اور قلعہ شاہجہان آباد میں اُترا۔

دو تین روز کے بعد ایک نیا شگوفہ کھلا یعنی بھنگیر خانے سے دفعتًا یہ خبر اُڑی کہ محمد شاہ نے چپکے نادر شاہ کو مروا ڈالا۔ یہ خبر ہوا کی طرح شہر بھر میں پھیل گئی۔ اس خبر کے مشہور ہونے کے ساتھ ہی بڑا غضب یہ ہوا کہ نادری سپاہی ایک ایک دو دو جو گلی کوچوں میں بے تکلف پھر رہے تھے لوگوں نے اُنھیں بے وارثہ سمجھکر قتل کرنا شروع کردیا۔ رات کو نادر شاہ کو یہ خبر معلوم ہوئی اُس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ سب اپنی جگہ پر قائم رہیں اگر کوئی چڑھ کر آئے تو جواب دیا جائے ورنہ پیشقدمی نہ کی جائے۔ رات بھر یہی حالت رہی۔ صبح تک کئی سو ایرانی سپاہی کٹ گئے۔ مگر ارکین دربار دہلی چپکے بیٹھے تماشا دیکھا کیے۔ کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ صبح اُٹھکر نادر شاہ نے پوچھا تو وہی حال سُنا۔ دُنیا آنکھوں میں اندھیر ہوگئی۔ اُسی وقت سوار ہوکر شہر دیکھتا ہوا چلا کہ شاید مجھے زندہ دیکھکر اب بھی یہ طوفان تھم جائے۔ مگر طوفان تھمنا کیسا اہل شہر نے اُسپر بھی پتھر برسائے بلکہ بندوقیں چلائیں۔ نادر شاہ نے شہر کے گشت میں یہ بھی دیکھا کہ جابجا ایرانیوں کی لاشیں پڑی ہیں۔ یہ دیکھکر آنکھوں میں خون اُتر آیا اور قتل عام کا حکم دے دیا۔ اور آپ روشن الدولہ کی سنہری مسجد میں تلوار کھینچ کر بیٹھ گیا۔ نادر کی سپاہیوں نے گلیوں میں خون کے پرنالے بہادیے، گھروں میں آگ لگا دی۔ نادر کا غصہ خدا کا قہر تھا۔ بادشاہ اور تمام امرا بیٹھے یہ حالت دیکھ رہے تھے مگر دم نہ مار سکتے تھے۔

دوپہر کے قریب جب شہر میں کہرام مچ گیا، تعداد مقتولین کی شمار سے باہر ہوگئی تو سب نے آصفجاہ سے رجوع کی۔ آصفجاہ نے گلے میں تلوار ڈالی اور سر برہنہ ننگے پیر نادر شاہ کے سامنے جاکر کھڑے ہوگئے۔ نادر شاہ نے نظر اُٹھائی تو آصفجاہ کو روتا پایا۔ پوچھا کہ چہ می خواہی؟ آصف جاہ نے کہا۔

کسے نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی   مگر کہ زندہ کُنی خلق را و باز کشی

نادر نے شرما کر سر جھکا لیا۔ تلوار میان میں کی اور کہا کہ بریش سفیدیت بخشیدم۔ اُسی وقت ایرانی نقیب شہر میں امان امان پکارتے ہوے دوڑے۔ واہ رے نادری حکم۔ جس نے جہاں سے نقیب کی آواز سُنی وہیں تلوار روک لی اور دم بھر میں امن ہو گیا۔ سلطنت کے کاروبار کے ساتھ دونوں بادشاہوں کی صحبتیں پھر بدستور جاری ہو گئیں۔

نادرشاہ کو دہلی میں ارکین سلطنت کی حاسدانہ کارروائیوں کی بدولت دونوں ہاتھوں سے لوٹنے کا موقع ملا۔ اُس نے اور اُسکے ہمراہیوں نے بیشمار زر و جواہر و زیورات یعنی وہ کُل دولت جو بابرشاہ کے وقت سے شاہان مغلیہ جمع کرتے آئے تھے سمیٹی۔ یہاں تک کہ تخت طاؤس بھی جو شاہجہاں نے ساڑھے چھ کرور روپے کی لاگت میں تیار کرایا تھا نہ چھوڑا۔ سونے چاندی کے چکی کے پاٹ ڈھلوا ڈھلوا کر اونٹوں پر لدوا دیے۔ غرضکہ دہلی سے اس قدر دولت نادرشاہ کے ہاتھ لگی کہ وہ حیران تھا کہ اسکو کیا کروں۔ چنانچہ کل فوج کو تین ماہ کی تنخواہ پیشگی دیدی اور سال بھر تک فارس کے باشندوں سے کوئی محصول نہیں لیا۔ اور صرف اسی قدر کثیر دولت ہی پر نہیں اکتفا کیا بلکہ محمد شاہ کی بیٹی سے اپنے بیٹے کی شادی بھی کرنے کے بعد ۱۶ محرم سنہ ۱۱۵۲ھ کو دہلی سے ایران کی طرف واپس روانہ ہوا۔

جب شیخ نے دہلی میں نادرشاہ کا آنا سنا تو شیخ کو بیحد تشویش پیدا ہوا۔ ناچار علی قلی خاں کے مکان میں چھپکر اپنی جان بچائی۔ اُسی زمانے میں شیخ نے ایک قصیدہ اہل ہند کی مذمت میں لکھا تھا جسکی وجہ سے شعرائے شاہجہان آباد کو شیخ کے ساتھ مخالفت پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے شیخ نے دہلی میں رہنا مناسب نہ سمجھا اور تین سال کئی ماہ تک دہلی میں رہ کر بہ ارادۂ بنگال دہلی سے روانہ ہو کر بنارس آئے۔ اور بنارس میں چندے قیام کرکے عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔ عظیم آباد میں کئی سال مقیم رہے، وہاں کے علما و روُسا سے ملے۔ ایک روز شہر کی سیر کو نکلے تو دیکھا کہ شہر کے اُتر جانب دریائے گنگ اور دکھن جانب ندی جلا واقع ہے۔ شیخ کی

نظر میں ملتان کے سیلاب کی تصویر پھر گئی - خیال گذرا کہ کسی وقت اگر دریا اور ندی دونوں جوشزن ہوے تو شہر عظیم آباد جو دونوں کے درمیان میں ہے غرقاب ہو جائیگا - پس ایسی جگہ رہنا مصلحت نہیں ہے - اسلیے عظیم آباد سے روانہ ہوکر بنارس چلے آئے مگر بنارس آنے پر بھی شیخ کی یہی تمنا رہی کہ ایران واپس چلا جاؤں لیکن خاک بنارس نے کچھ ایسے مضبوط قدم پکڑے کہ پھر ایران جانا کسی طرح ممکن و میسر نہ ہوا اور بہت سے موانعات پیش آتے گئے - جب شیخ کو کامل یقین ہو گیا کہ خاک ہند مجھے ایران نہ جانے دیگی میری قبر کی جگہ ہندہی میں ہے تو شیخ نے ہر طرف سے سیر و سیاحت ترک کر کے بنارس کو اپنا مسکن دائمی قرار دیا اور راجہ بلونت سنگھ سابق والی بنارس سے زمین لیکر روضۂ فاطمان[۱] (فاطمہ) بنواکر رہنے لگے - جس مقام پر فاطمان ہے پہلے وہ مقام صحرا میں شمار ہوتا تھا - احاطہ و روضۂ فاطمہؑ و مسجد و شہ نشین و باغ وغیرہ جملہ عمارتیں متعلقہ فاطمان شیخ کی بنوائی ہوئی ہیں جو اب تک موجود ہیں - مسجد فاطمان ۱۱۶۷ھ ہجری میں تعمیر ہوئی ہے - تاریخ تعمیر مسجد شیخ کی کہی ہوئی یہ ہے -

جبہ بر خاک نہ دریں مسجد کز برائے عبادت است اینجا
بہر تاریخ ایں بنا ہاتف گفت - درگاہ حاجت است اینجا

راجہ بلونت سنگھ سابق والی بنارس کو جو علما و فقرا کو بہت دوست رکھتے تھے شیخ سے خلوص خاص تھا - اسلیے شیخ کی نہایت عزت کرتے تھے اور کبھی کبھی خود شیخ کی قیام گاہ پر جایا کرتے تھے - شیخ بھی راجہ ممدوح سے نہایت محبت سے پیش آتے تھے اور راجہ کی ترقی عمر و دولت کے لیے دعا گو رہتے تھے - راجہ ممدوح اپنے صاحبزادے راجہ چیت سنگھ کو جو اُس وقت بہت صغیر سن تھے کبھی کبھی شیخ کی خدمت میں بھیجا کرتے تھے - شیخ بہت شفقت و محبت سے پیش آتے تھے اور اپنے چاندی کے کھٹولے پر جسپر کسی کو نہ بیٹھنے دیتے تھے بٹھا لیا کرتے تھے اور رخصت کے وقت دعا کے ساتھ کچھ بطور تحفہ از قسم جواہرات و اشرفی وغیرہ کے دیا کرتے تھے بعد وفات شیخ جب حساب کیا گیا تو قریب چالیس ہزار روپے کی اشیا عطیات شیخ سے نکلیں -

بنارس کے قیام میں شیخ کے اخراجات معمولی نہ تھے بلکہ مثل امرا و شاہزادگان اخراجات

[۱] روضۂ حضرت سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا جو اب فاطمان مشہور ہو گیا ہے -

رہا کرتے تھے۔ فاطمان کی تمام عمارتیں شیخ نے اپنے صرف سے بنوائیں مگر کسی کو آمدنی کا حال معلوم نہ ہوسکا کہ کہاں سے آتی ہے۔ اس جگہ اکثر لوگ مختلف روائتیں بیان کرتے ہیں۔ کچھ لوگ دستِ غیب خیال کرتے ہیں بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ شیخ کا خدمتگار مسمی رمضانی جن تھا اسی کے ذریعہ شیخ کے تمام اخراجات ہوا کرتے تھے۔

نواب شجاع الدولہ جب بنارس آئے تو بنظر علم و فضل و بخیال عزت ایران شیخ کے قیام گاہ پر گئے۔ دروازے پر پہرہ دیکھکر شیخ سے کہا کہ ع در درویش را درباں نباید۔ شیخ نے ازراہ استغنا فی البدیہہ جواب دیا کہ ع بباید تا سگِ دنیا نیاید۔

شیخ کی طبیعت فن شعر گوئی میں ایسے تبحر اور ملکہ پر تھی جسکا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے شیخ کے ہندستان آنے پر بڑے بڑے شعرا اپنے عمدہ عمدہ کلام بحلیۂ اصلاح سناتے تھے مگر شیخ اپنی تہذیب و متانت سے سب کی تعریف کیا کرتے تھے۔ زیادہ اصرار ہونے پر اس طور سے الفاظ کو تبدیل کردیا کرتے تھے جس سے حسن کلام دوبالا ہوجاتا تھا۔ کسی شاعر نے بظاہر اصلاح کی غرض سے یہ شعر سنایا مگر باطن میں بخیال اظہار کمال اپنے نزدیک چوٹی کا شعر پڑھا تھا۔

خجل از روے حبابم کہ دریں ظرف تنک　　　انچہ در کیسۂ خود داشت بدریا بخشید

شیخ نے باعتبار مضمون آفرین تعریف کی جب اُنکا اصرار ہوا تو صرف دو لفظ بدلکر لطفِ شعر کو دوبالا کردیا

خجل از چشم حبابم کہ دریں ظرف تنک　　　اُنچہ در کاسۂ خود داشت بدریا بخشید

خجالت کا تعلق چشم سے ہے نہ کہ رُو سے، اور کیسہ والے کے دینے سے کاسہ والے کا دینا زیادہ قابل تعریف ہے

ایک روز کسی شاعر نے شیخ کے سامنے اپنا یہ شعر پڑھا

سیہ چوڑی بدستِ آں نگارِ نازنیں دیدم　　　بشاخ صندلی پیچیدہ مارِ عنبریں دیدم

شیخ نے کہا کہ اس طوالت کی کیا ضرورت ہے اسی قدر کہدینا کافی ہے کہ

سیہ چوڑی بادستِ آں نگارے　　　بشاخ صندلی پیچیدہ مارے

سنا جاتا ہے کہ مرزا رفیع الدین سودا کا کلام شیخ کو بہت پسند آیا۔ جب شیخ ایران سے

ہندوستان میں آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ شعرائے ہند میں اندنوں کوئی صاحبِ کمال بھی ہے؟
لوگوں نے سودا کا نام بتایا۔ سودا نے جب سنا تو خود شیخ سے ملنے اُنکی قیام گاہ پر گئے اطلاع
کرائی کہ سودا حاضر ہے شیخ نے جواب دیا کہ سودا کا یہاں کیا کام ہے بازار میں جائے اور کلوخ
طفلاں کھائے۔ اُس وقت سودا نے کہلا بھیجا کہ مرزا رفیع الدین متخلص بہ سودا حاضر ہے۔ یہ سنکر شیخ
نے بلوا لیا اور کلام سنانے کی فرمائش کی۔ سودا نے کہا کہ میں تو حضور کے کلام کا مشتاق ہوکر
آیا ہوں۔ شیخ نے یہ شعر پڑھا

تاثیر تو زہ کرد کمانے بہ کمینے — یک صید نیا سود زمانے بہ زمینے

سودا نے تعریف کرکے فی الجملہ سکوت کیا اور یہ شعر پڑھا

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں — تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

اُسوقت تک شیخ اُردو کے محاورہ (تڑپنے) سے ناواقف تھے پوچھا (تڑپے ہے) چہ معنی دارد؟ سودا
نے کہا اہل ہند طپیدن را تڑپنا میگویند۔ شیخ نے سودا سے شعر مکرر پڑھوایا۔ دوبارہ سننے پر
نہایت محظوظ ہوے اور سودا سے بغلگیر ہوکر کہا تم نے تو قیامت کردی ایک مرغ قبلہ نما رہگیا تھا
تم نے اُسکو بھی نہ چھوڑا۔

شیخ کا خادم رمضانی جو بنارس میں شیخ کے ساتھ تھا اور کہا جاتا ہی کہ جن تھا بظاہر رمضانی
خدمتگار بنا رہتا تھا، نہایت ذی علم و قابل شخص تھا۔ شیخ کے کلام موزوں کا جواب اکثر موزوں
دیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ شیخ نے کہا "رمضانی کسان می آیند" رمضانی نے فوراً جواب دیا حضور،
"تا کسان پیش کساں می آیند"۔ ایک روز شیخ حجرے میں بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے جب وظیفہ
سے فارغ ہوے رمضانی سے پوچھا کہ "از شب چہ قدر گذشتہ باشد؟" رمضانی نے جواب دیا
کہ "زلفش بکمر رسیدہ باشد"۔ الغرض رمضانی اور شیخ میں اس قسم کے سوال جواب اکثر ہوا کرتے تھے
ایک روز ایک رئیس کی ملاقات کو آئے۔ شیخ نے اپنے باغ کا لیمو بطور تحفہ رمضانی سے
منگوایا اور رمضانی کو حکم دیا کہ پوست جدا کرکے لاؤ۔ رمضانی نے لیمو لاکر رئیس سے پوچھا کہ حضور

کو ترش پسند ہے یا شیریں؟ رئیس نے ہنسکر کہا کہ ایک ہی تو لیمو ہے، پھر ترش و شیریں کی تفریق کیسی؟ رمضانی نے جواب دیا کہ آفتاب کی طرف کا حصہ شیریں ہے اور دوسری جانب کا ترش رئیس نے جب دونوں جانب چکھا تو واقعی ایک طرف شیریں اور دوسری جانب ترش تھا۔

شعرا و روسا جو شیخ سے ملنے آتے تھے شیخ ازراہِ استغنا اُنکی تعظیم نہ کرتے تھے۔ کیونکہ شیخ کو کسی سے کچھ طمع نہ تھی۔ ایک چاندی کے کھٹولے پر جو اپنے لیے مخصوص بنا رکھا تھا بیٹھے رہتے تھے اور اُس پر کسی کو بیٹھنے نہ دیتے تھے۔

جس وقت شیخ بنارس میں مقیم تھے۔ بنارس میں مُلّا عبداللہ معروف بہ مُلّا محمد عمرؒ متخلص سابق بنارسی شاگرد مولوی سراج الدین علی خاں آرزو اکبرآبادی بھی موجود تھے ان دونوں صاحبوں میں سلسلہ ارتباط و محبت زیادہ بڑھ گیا تھا۔ ملا محمد عمرؒ روزانہ شیخ کی قیام گاہ پر جایا کرتے تھے اور جو کچھ تصنیف کرتے تھے شیخ کو سنایا کرتے تھے اور شیخ جو کچھ موزوں کیا کرتے تھے وہ ملا کو سنایا کرتے تھے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک ہی طرح میں دونوں صاحب طبع آزمائی فرماتے تھے۔ چنانچہ شیخ و مُلّا کی ہمطرح غزلیں درج ذیل ہیں

غزل شیخ علی حزیں

اے وائے بر اسیرے کز یاد رفتہ باشد — در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

آہ از دلیکہ تنہا با داغ او چو لالہ — در خوں نشستہ باشد چوں باد رفتہ باشد

خونش بہ تیغ حسرت یارب حلال بادا — صیدے کہ از کمندت آزاد رفتہ باشد

از آہ و درد تا کے سازم خبر دولت را — روزے کہ کوہ صبرم بر باد رفتہ باشد

رحمست بر اسیرے کز گرد دام الفت — با صد امیدواری ناشاد رفتہ باشد

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی — گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد

پرسوز از حزیں است امروز کوہ و صحرا
مجنوں گذشتہ باشد فرہاد رفتہ باشد

غزل مُلّا سابق بنارسی

جانش چناں بحسرت ناشاد رفتہ باشد کز ہجر بر دل او بیداد رفتہ باشد

فریاد وار رحم است بر بیدلے کہ اورا با یاس جان شیریں بر باد رفتہ باشد

از خار زار امکاں ہر کس کہ چید داماں چوں سرو زیں گلستاں آزاد رفتہ باشد

بر حال زار صیدے رحمت کو بحسرت در دام جاں سپارد صیاد رفتہ باشد

اے دلے بر غریبے با یک جہاں تمنا در وقتِ جاں سپردن از یاد رفتہ باشد

سابق بسوز آورد ایں مصرعِ حزینم

مجنوں گذشتہ باشد فرہاد رفتہ باشد

ایک روز شیخ سے کسی نے پوچھا گیا کرا میگویند؟ اتفاق سے ملا محمد عمرؒ بھی اُسوقت موجود تھے۔ شیخ نے کہا کہ از ملا بپرس۔ مُلا نے کہا گیپا پلاؤ کی ایک قسم ہے اور صرف یہی کہکر نہیں خاموش ہوے بلکہ اسکی مفصل کیفیت مع ترکیب تیاری بیان کردی شیخ نے متعجب ہوکر پوچھا کہ آپ نے کھایا ہے؟ مُلا نے کہا میں نے کھایا تو نہیں ہے مگر اُسکی کیفیت مجھے معلوم ہے۔ شیخ نے کہا کل میں آپ کو گیپا کھلاؤں گا۔ دوسرے دن شیخ نے مُلّا کو گیپا کی دعوت دی اور مُلّا کے ساتھ بہت لوگوں کو مدعو کیا۔

شیخ کا کلام اُنکے مرنے کے بعد جس قدر دستیاب ہوا وہ "کلیاتِ حزیں" کے نام سے مطبع نامی منشی نولکشور در سنہ ۱۲۹۳ ہجری میں چھپا ہے۔ کلیات میں علاوہ غزلیات کے قصائد و مثنویات و رباعیات وغیرہ بھی ہیں اور کچھ حصہ نثر کا ہے جس میں شیخ نے اپنے اور اپنے اساتذہ کے حالات درج کیے ہیں۔ چند اشعار شیخ کے کلیات مذکور سے انتخاب کر کے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

باد صبا فسانۂ زلف تو ساز کرد پیغامِ آشنا شب ما را دراز کرد

گردید قسمتم ز ازل عشق شعلہ خو ساقی مرا بجرعۂ مے جانگداز کرد

افزوں شد از بہار خطت شورِ عاشقاں نیرنگِ باغ نالۂ مرغاں دراز کرد

گویا لبالب از مے عجز و نیاز بود | پیمانۂ کہ چشم تراست ناز کرد

کشائے لب بقصۂ راز نہاں حزیں
نتواں حدیث شوق بعمر دراز کرد

از شورِ نالہ ام دلِ جاناں خبر نداشت | آں شاخِ گل ز مرغ خوش الحاں خبر نداشت

بیہودہ سینہ بر درو بام قفس زدیم | صیاد ما ز حالِ اسیراں خبر نداشت

شوریدہ را بزیرِ قدم خار و گل یکیست | سیل از بلند و پست بیاباں خبر نداشت

ہرگز نمیگرفت کسے را حریف خویش | صبرِ من از تغافل جاناں خبر نداشت

در موج خیز فتنہ حزیں آرمیدہ ام
آب گہر ز شورشِ طوفاں خبر نداشت

بر ہر زمیں کہ جلوہ کُنی آسماں کُنی | می زیبدت کہ ناز بکون و مکاں کُنی

ہر جا کشائی از پے دل زلفِ پرشکن | مرغانِ سدرہ راہمہ بے آشیاں کُنی

مشکیں شود غزالِ نگاہت بیک نظر | اے کاش جیب بختِ مرا سرمہ داں کُنی

اے عندلیب با تو مرا حقِ صحبت است | خواہم کہ خاک تربتِ ما گلفشاں کُنی

گردو طرازِ دامنِ دستِ جنوں حزیں
خونابۂ کہ از رگِ مژگاں رواں کُنی

اکثر کلام شیخ کے دوسرے نسخوں میں ملتے ہیں مگر کلیات میں نہیں طبع ہیں۔ چنانچہ ذیل کی غزل جو شیخ نے اپنے حسب حال لکھی ہے تاریخ بنارس میں درج ہے۔

چشم کشودہ است درِ فیض نو بہار | از داغ ریختست دلم طرح لالہ زار

منت خدائے را کہ بعون عنایتش | منت پذیر نیستم از خلق روزگار

مرہون منتے نیم از فیضِ بحر و بر | ممنونِ قطرۂ نیم از ابر نو بہار

ہمت براں سر است کہ خرگہ برون زند | از تنگنائے عرصۂ ایں نیلگوں حصار

در کودکی کہ بود دلم مائلِ ہنر | جوشیدہ ذوقِ شعر زطبعِ گہر نثار
ہر مصرعم ززلفِ رسا دلفریب تر | ہر نقطہ ام بہ شوخیِ خالِ عذارِ یار
حسنِ بلاغت و نمکِ گفتگوے من | شورے فگند در دلِ عشاقِ بیقرار
صوفی بجا نقاد و سرائید گفتہ ام | مطرب بہ ساز بزم ز شعرم کشیدہ تار
ہر صفحہ را ز سنبل و ریحاں چمن چمن | مرغولہ زیرِ خامۂ من ریختیہ یادگار
معنی بہ حشمتے کہ بود بحرِ پر شکوہ | لفظش بجود تے کہ بود موجِ جوئبار
پیرایۂ قبول و صفاے نفسِ تبسم | لطفِ اشارت و نمکِ عاشقی بکار
شرمندۂ منست گہرہاے آبگوں | پروردۂ من ست سخنہاے آبدار
گاہے مگر بخاطرِ آیندگان رسم | تا در گذرگہ و سخن ماست پائدار
اکنوں نماندہ است بدل ذوقِ گفتگو | کوتاہی از من و کرم از آفریدگار

خامش حزیں کہ نامہ بپایاں رساندۂ
وقت ست خامہ را فگند دستِ رعشہ دار

شیخ نے بحالتِ قیام بنارس، بنارس و اہل بنارس کی شان میں باعتبار مذاق شاعری فرمایا ہے

پری رخانِ بنارس بصد کرشمہ و رنگ | پے پرستشِ مہدیو چوں کنند آہنگ
بہ گنگ غسل کنند و بہ سنگ پا مالند | زہے شرافتِ سنگ و زہے لطافتِ گنگ

ایران سے شیخ کے کسی دوست نے شیخ کو خط لکھا کہ کیا اب بنارس ہی میں رہو گے وطن مالوف کو نہ آؤگے تو شیخ نے اُسکے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا۔

از بنارس نہ روم معبدِ عام ست اینجا | ہر برہمن پسرِ لچھمن و رام ست اینجا

جب شیخ بنارس میں مقیم تھے تو اسی اثنا میں سید غلام حسین خاں ابن سید ہدایت علی خاں طباطبائی مولف سیر المتاخرین بنارس میں آئے اور حسب سفارش ڈاکٹر فلرٹن صاحب، صاحب کلاں کی مصاحبت میں مامور ہوئے۔ یہ بھی شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے

علم و تقویٰ کی وجہ سے شیخ ان سے بہت خوش رہتے تھے۔ اتفاقاً سید غلام حسین خاں کے والد بیمار ہو کر دنیا سے رحلت کر گئے۔ ۴ر جمادی الثانی ۱۱۶۹ھ ہجری کو جب سید غلام حسین خاں نے یہ خبر سُنی اور اپنے وطن حسین آباد مونگیر بغرض انتظام جاگیر جانے کا قصد کیا تو شیخ نے اُنسے کہا کہ میری عمر کے خاتمہ کا اب بہت تھوڑا زمانہ رہ گیا ہے بہتر ہوتا کہ تم اُس وقت یہاں موجود رہتے۔ مگر سید غلام حسین اشد ضرورت کی وجہ سے نہ رُک سکے اور اپنے وطن چلے گئے۔ وہاں جا کر سند جاگیر جو اِن کے والد سید ہدایت علی کے نام تھی، مہاراجہ شتاب رائے ناظم ریاست مرشد آباد کی سرکار سے اپنے نام تبدیل کرائی اور انتظام جاگیر میں ایک سال تک مصروف رہے بنارس نہ آسکے۔

اِدھر شیخ علی حزیں نے بعمر ۷۷ سال تاریخ ۱۱ر جمادی الاول ۱۱۸۰ھ ہجری بمقام فاطمان (بنارس) دُنیاے دوں کو چھوڑ کر سفر آخرت اختیار کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور جو قبر پختہ شیخ نے اپنی زندگی میں اپنے لیے بنوا رکھی تھی اُسی میں دفن ہوے۔ قبر شگی ہے محرم و شہہاے رمضان المبارک میں شیعہ اصحاب جمع ہوتے ہیں اور مجلس عزا ہوتی ہے۔

شیخ کے سنگ قبر پر جو الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں۔ لوح قبر پر "یا محسن قد اتاک المسئی" کے بعد شیخ کا نام ان لفظوں میں تحریر ہے "العبد الراجی رحمۃ ربہ محمد المدعو بہ علی ابن ابیطالب الجیلانی" ہر دو پہلو میں یہ دو شعر ہیں جو شیخ نے پہلے سے کہکر سنگ قبر پر کندہ کرانے کا حکم دے رکھا تھا۔

زباندان محبت بودہ ام دیگر نمیدانم ۔۔۔ ہمیدانم کہ گوش از دوست پیغامے شنید اینجا

حزیں از پاے رہ پیما بسے سرگشتگی دیدم ۔۔۔ سر شوریدہ بر بالین آسایش رسید اینجا

اور پائین قبر میں یہ شعر ہے :-

روشن شد از وصال تو شبہاے تار ما ۔۔۔ صبح قیامت است چراغ مزار ما

کتاب مفتاح التواریخ میں شیخ کی تاریخ وفات یوں درج ہے :-

تہی گشت ہیہات روے زمین ۔۔۔ ز شیخ محمد علی حزیں ۱۱۸۰

ایک قطعہ میر غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے مگر اس میں ایک عدد کم ہوتا ہے۔

علامۂ عصر و شاعرِ خوب — افسوس کہ از بیان نہ برخاست
تاریخ وفاتِ او نوشتم — از فوتِ حزیں حزین دل ماست

تاریخ از مولوی محمد عبد الغفور خاں نساخ

پئے سال ترحیل و فوتِ حزیں — نوشتم غمِ جاودانِ حزیں

قبرستانِ فاطمان میں شیخ کی قبر کے بعد رفتہ رفتہ مسلمانانِ شہر کی ہزارہا قبریں پختہ وخام اندر احاطۂ فاطمان ہوگئی ہیں اور ہوتی جارہی ہیں خصوصاً شیعہ اصحاب کی قبریں بہت ہیں الفنٹ صاحب کمشنر بنارس کی بی بی ہندوستانی تھیں وہ بھی یہیں دفن ہیں اور اخراجات مجلس وغیرہ کے لیے کچھ جائداد بھی وقف کی ہے۔ کمشنر صاحب کے حکم سے پھاٹک احاطۂ فاطمان کا تیار ہوا ہے اُس پر یہ اشعار کندہ ہیں:-

صاحب کلاں بہادرِ میدان سروری — افراخت ایں بناکہ باوجِ سما رسید
ابرِ کرم کشاد کہ تاریخ سالِ او — دروازہ عظیم زہر سو ندا رسید

ذی مقدرت شیعہ اصحاب صدہا روپیہ دیکر احاطۂ فاطمان کے اندر قبر کی زمین مول لیتے ہیں۔ عشرۂ محرم کے روز مرد وعورتوں کا بہت بڑا مجمع ہوتا ہے اور یہ مجمع صرف احاطۂ فاطمان ہی تک محدود نہیں رہتا بلکہ دُور تک سڑکوں اور گلیوں میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ شہر کے زیادہ حصے تعزیوں کے یہیں دفن ہوتے ہیں۔

عاصی

غلام حسین خاں حنفی آفاق بنارسی

(رام نگر۔ بنارس)